تمہید

"شکنتلا" سنسکرت شاعری کا سدا بہار گلاب ہے، کالی داس سنسکرت شاعری کا دل ہے تو "شکنتلا" اس دل کا درد، تمنا اور خواب ہے اُسکا نام دلوں میں پاکیزہ، دلکش اور رنگین تصورات کے جگانے کا ایک منتر ہے۔ شکنتلا کا نام زبان پر آیا اور پردۂ تصور پہ ایک تصویر کھنچ گئی۔ کیسی شگفتہ۔ کیسی دردانگیز، حسن اور شباب کا ایک بھائیولا خواب، پھول کی طرح نازک اور پتّی کی طرح کمزور۔

ہرا بھرا جنگل، ندی کا شاداب کنارا، کنول کے پھولوں کا کُنج، ہرنوں کی کلیلیں، چڑیوں کی خوشنوائیاں، شہد کی مکھیوں کے نغمے اور ہوائے معطر کے جھونکے۔ ان دلفریبیوں کے بیچ میں شکنتلا اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ کمل کے بھورے پتے پر۔ راجہ دشینت کو خط لکھتی ہے۔ کتنا دلفریب تخیل ہے۔ کیا شاعر کی فکر رنگین جذبۂ حُسن و فراق کی اس سے زیادہ پراثر اور پُر درد تصویر کھینچ سکتی ہے؟ شکنتلا ایک عورت ہے شعر کی، درد کی میٹھے الاپ کی۔ اس میں سیتا کی روحانیت نہیں، ساوتری کا استقلال نہیں،

دمن کا صبر نہیں۔ وہ ایک کمزور ہستی ہے۔ تنا ور درخت نہیں جس پر ہوائیں
اثر نہیں کرتیں۔ وہ ایک شاخ ہے جو ہواؤں سے ہلتی ہے اور ٹوٹ جاتی
ہے۔ یہی اُسکی کمزوری اسکا جوہر ہے۔ اسی نے اُسے اتنا دلکش بنا دیا ہے
شیکسپیر کی طرح کالیداس نے بھی اپنے ڈراموں کے پلاٹ اختراع نہیں
کیے بلکہ پرانی روایتوں سے لیے ہیں۔ لیکن ان روایتوں میں وہ رنگینیٔ
بیان اور لطافتِ جذبات بھر دی ہے کہ قصّہ بالکل اچھوتا ہو گیا ہے۔
رموزِ الفت کے بیان میں کالیداس کو ید طولیٰ حاصل ہے اور اس رنگ
میں کوئی سنسکرت شاعر اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس نے
قدرت سے حسن پرست نگاہ پائی تھی جو انسانی جذبات ہی تک محدود نہ تھی
پھول اور پودے، وحش و طیور، غرض سارا نیچر اسکے لیے حسن اور جذبہ
سے پُر تھا۔ اسی لیے اسکے ہرن اور مور محض خوبصورت جانور نہیں۔ اسکی
کوئلیں اور پپیہے محض خوشنوا چڑیاں نہیں۔ ان میں وہ دلکشی ہے جو شاعر
کے احساسِ حسن ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وصف ہے جس نے یورپ
کے سخن فہموں کو کالیداس کا مدّاح بنا دیا ہے۔
"شکنتلا" کے ترجمے اُردو اور ہندی میں بہت عرصہ ہوا، ہو چکے۔

"رشک گلزار" کے نام سے اسکا ایک منظوم ترجمہ بھی عرصہ ہوا نولکشور پریس لکھنؤ نے شایع کیا تھا۔ اس کے مصنف ایک مولوی سید محمد تقی صاحب تھے۔ اگرچہ انھوں نے قصہ کو بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہو لیکن انھوں نے بھی وہی روش اختیار کی ہو جو شعرا قدیم نے مثنوی کے لئے مخصوص کر رکھا ہو۔ ہر ایک فصل میں وہی بہاریہ آغاز ہو اور وہی ساقی و ساغر کا تذکرہ، معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اصل قصہ سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ ایرانیت کا ایسا گہرا رنگ چڑھا دیا گیا ہو کہ مثنوی میر حسن یا گلزار نسیم سے اسکی تمیز کرنی مشکل ہو۔ افراد قصہ کی زبان سے وہی الفاظ نکلوائے گئے ہیں جو اس حالت میں کسی مسلمان کی زبان سے نکلتے۔ لباس بھی وہی پہنایا ہو جو کسی ترک طرار کے لئے موزوں ہے۔ مناظر میں بھی بلبل اور بہار کے نغمے سنائی دیتے ہیں۔ الغرض مثنوی کی حیثیت سے اسکا درجہ کچھ ہی ہو، ہندو معاشرت کی ناواقفیت نے مصنف کو قصہ کا اصلی رنگ قائم رکھنے میں معذور کر دیا ہے۔ حضرت سحر نے قصہ کی وطنیت کا بدرجہ اتم خیال رکھا ہو درحالیکہ "رشک گلزار" اور قصۂ شیریں و فرہاد میں معاشرت، معیار اخلاق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، حضرت سحر کے مرد و زن گل بوٹے چرند و پرند، آسمان زمین۔ آداب و اخلاق، رسم و تمدن، سب ہندوستان کے ہیں۔ انکی دلفریبی اور

اصلیت میں مطلق فرق نہیں آیا۔

اس قصہ کو اردو میں نظم کر کے منشی اقبال ورما سحر ہنگامی نے اردو خواں پبلک کو زیر بار احسان کیا ہے۔ ان کے طرز بیان کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں اس کا فیصلہ ناظرین خود کریں گے لیکن اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں۔ کہ بلاغت اور روانی بیان اور حسن ترکیب کے اعتبار سے "نیرنگ سحر" قریب قریب "گلزار نسیم" سے لگا کھاتی ہے۔ حضرت سحر محض بندش کے لیے کالیداس کے ممنون ہیں۔ بیان کلیتاً اُنکا اپنا ہے اور اگرچہ انھوں نے کہیں کہیں ضرورت شعری سے مجبور ہو کر قصہ میں انحراف کیا ہے۔ لیکن فی الجملہ قصہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں ہم کو امید ہے کہ ناظرین "نیرنگ سحر" کا خوشی سے خیر مقدم کریں گے اور حضرت "سحر" کی کاوش کی داد دیں گے۔ جس کے وہ بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں

دفتر زمانہ - کانپور

دیا نرائن نگم۔

مثنوی سحر

پہلا باب

ولادتِ شکنتلا

رباعی

اے عشق اثر ہی خودی نے کیا کیا نہ کیا — اب کیا رہا، خود خدا سے بیگانہ کیا
حاصل یہ کہ سحر تو نے اپنے نزدیک — اچھا بھی کیا اگر پھر اچھا نہ کیا

کہتا ہے جو داستانِ دلکش — یوں خامہ سے ہے بیانِ دلکش
قصہ ہے کہ جو سے گومتی پر — تھا ایک فقیرِ نیک محضر
بسوامتر اُس کا نام نامی — تھا حسنِ عمل میں وہ گرامی
یوں محوِ جمالِ معرفت تھا — تصویرِ کمالِ معرفت تھا
وحدت کی چمک عیاں تھی اُس سے — قدرت کی جھلک عیاں تھی اُس سے

صحرا رنگینیوں سے معمور
تھا مظہرِ شانِ حسن مستور

پھولوں میں نمود جلوۂ حسن
کلیوں میں وجود عقدۂ حسن

اک دفترِ راز برگِ تر تھا
تفسیر نکات ہر شجر تھا

دریا، امواج کی زبانی
کہتا تھا فسانۂ نہانی

پانی میں حباب کی وہ مستی
دکھلا رہی تھی فریب ہستی

لاتی تھی صبا ہوائے جنت
تھی پیشِ نظر فضائے جنت

اٹھا تھا جو پردۂ حقیقت
ہر سمت تھا جلوۂ حقیقت

اک جا پہ وہ عابدِ خردمند
تھا محوِ عبادتِ خداوند

بوئے گلِ زہد پیرہن میں
تھی راحتِ پاک اسکے تن میں

تھا نشۂ یادِ حق سے یوں چور
تھا قلب ملک حسد سے معمور

اک اک سے غرض کہ اسکو تاڑا
یوں کھیل بنا ہوا بگاڑا

اک روز بلا کے مینکا کو
ظاہر کیا اپنے مدعا کو

درویش کی بات یوں بگڑ جائے
عرفاں کے چمن پر اوس پڑ جائے

آخر وہ [illegible] کر آئی
اُڑتی ہوئی پھر زمیں پر آئی

پہونچی وہ [illegible]
یعنی گلِ نو کھلا چمن میں

سج دھج وہ غرض بنا کے پہونچی — عابد کے قریب جا کے پہونچی

بے پردہ تھا نورِ حسنِ دلکش — ظاہر تھا غرورِ حسنِ دلکش

شوخی خرام کا تھا یہ حال — فتنہ تھا قدم قدم پہ پامال

تھا لب پہ جو حسن و عشق کا راگ — تاثیر میں تھی بھری ہوئی لاگ

خاموش طیورِ خوش نوا تھے — مدہوش صدائے نغمہ زا تھے

تھا رقص پری بھی یوں نمودار — تھے وجد میں جھومتے کل اشجار

وہ لے کہ ہو سن کے بے خبر دل — وہ رقص کے لوٹتے رقص پر دل

صحرا میں غرض جو گونج اٹھی تان — درویش کا گیان سے ہٹا دھیان

دیکھا تو تھی اک نگارِ خوش رو — بس دل میں سمائی عشق کی بو

آنکھوں کے جو دیکھے جام سرشار — یک لخت ہوئے حواس بیکار

جوبن میں بھرا ہوا تھا جادو — چتون میں بھرا ہوا تھا جادو

دیوانہ بنا دیا ہر ادا نے — زائل کیے ہوش مینکا نے

انداز پہ دل ہوا تھا قرباں — آواز پہ دل ہوا تھا قرباں

تھا پہلے تو بندۂ خدا وہ — اب بندۂ صنم کا بن گیا وہ

جس دل میں فروغ لامکاں تھا — اک جلوۂ باطل اب وہاں تھا

دل گھر تھا خدا کا اب ہوا دیر — کعبہ کی صنم نے آکے کی سیر

ہر چند وہ تھا صراطِ رہ پر — رُکتا تھا مگر قدم قدم پر

"جائیں گے تو عشق میں نکل کر" — ارماں نے کہا مچل مچل کر

ہمّت ہوئی دل میں التجا کی — جرأت ہوئی عرض مدعا کی

ظاہر ہوئی حالت نہانی — اُس رنگِ پریدہ کی زبانی

یہ دیکھ کے بینکا بصد جوش — درویش سے ہو گئی ہم آغوش

پاکیزہ خیال سر سے نکلے — ارماں اِدھر اُدھر سے نکلے

دونوں ہوئے جامِ وصل سے چور — مہ نے لیا آفتاب سے نور

میعادِ معیّنہ گذر کر — نکلا اس طرح نورِ انور

اک حور عیاں ہوئی پری سے — پیدا ہوئی زہرہ مشتری سے

آنچل پہ اُٹھایا بینکا نے — دامن پہ رکھی کلی صبا نے

شرماتی ہوئی حیا سے آئی — درویش کے پاس ادا سے آئی

بولی کہ اے نکتہ دانِ الفت! — لے نذر یہ ارمغانِ الفت!

"یہ نورِ نظر، نظر میں رکھنا — یہ لختِ جگر، جگر میں رکھنا"

اُب مجھکو وطن کی ہو اجازت — جانے کی عطا ہو جلد رخصت"

دیکھی جو وہ دخت ماہ پارا
عابد کو ہوا غم نظارا

غفلت سے جو چشم ہو گئی وا
حیلہ کا گرا نظر سے پردا

آنکھوں سے ہٹا حجاب غفلت
سمجھا کہ تلف ہوئی عبادت

یوں خوف خدا سے ڈر گیا وہ
منھ پھیر کے پردہ کر گیا وہ

پھر ہو کے غریق بحر افسوس
بولا وہ صد حیف بخت معکوس

وا نفس! کیا یہ تو نے کیا ہائے؟
کیسی ہوئی مجھ سے یہ خطا ہائے

تقوی کا مٹا نشان صد افسوس!
محنت ہوئی رائگاں صد افسوس!

یہ کہکے وہ زار زار رویا
بس پھوٹ کے ابر وار رویا

دیکھی جو پری نے کج ادائی
کچھ فتح پہ ہنس پڑی مسکرائی

چھوڑا وہیں اس بت حسیں کو
در پائے گھر دیا زمیں کو

آہستہ وہاں سے خود اٹھ آئی
جنت کو اڑی ہوئی ہوائی

بستر پہ اس جگہ تھا بیہوش
تھیں دختر و زن سبھی پری وش

تھا بیخبری میں یاد اگر کچھ
تھی اپنے ہی بیچ کی خبر کچھ

چھوڑا گھبرا کے اس حسیں کو
دیوانہ سا چل دیا کہیں کو

درویش تھا کنو اک نکوکار
دیکھا جو وہاں ہوا نمودار

جلوے سے ہے گردِ حُسن تنویر
آئینہ میں حُسن کی ہے تصویر

اک ہنس ہے سر پہ سایہ افگن
شعلہ سا نہاں ہے زیرِ دامن

خوبی کی ہے اک نرالی صورت
پیاری سی ہے بھولی بھالی صورت

تھا نیک جو وہ فقیرِ دانا
اچھا اُسے چھوڑنا نہ جانا

معصوم پہ اُسکو رحم آیا
گودی میں لیا، گلے لگایا

لایا گھر اُسے غرض وہ خوشکام
رکھا اُس کا شکنتلا نام

رہتی تھی سہیلیوں میں بن میں
بڑھنے لگی شاخِ گل چمن میں

دوسرا باب
تاثیرِ عشق
رباعی

ہے نفس کی ہر نفس شرارت [illegible]
ہر وقت ہیں اس بحر کی امواج رواں

گو بحر نہاں کبھی [illegible] ہے
لیکن ہے وہیں عشق بھی ہمچشم جہاں

کیفیتِ صید ہے جو تحریر — یوں خامہ رواں ہے بصورتِ تیر

دِلّی کے قریب ہستنا پور — تھا عصرِ سلف میں شہرِ مشہور

راجہ دُشینت حکمراں تھا — اعزاز میں خسروِ جہاں تھا

تیزی میں نظر تو فیض میں سیل — جرأت میں اسد تو جنگ میں فیل

احباب الطاف سے تھے خرسند — اعدا انصاف سے تھے خرسند

اک روز جو سیر پر گیا دھیان — راجہ کو شکار کا بندھا دھیان

کی حکم نے فوج تک رسائی — جنگل میں گھٹا سی پھر چڑھ آئی

تھا بن میں جو زاہدوں کا مسکن — مشہور تھا اس سے وہ تپوبن

تفریح کو صید تھا جو درکار — آہو سے ملا وہ شیرِ جرار

کھینچا وہیں شاہ نے کماں کو — بھاگا وہ ہرن بچا کے جاں کو

ہر چند رواں تھا توسنِ شاہ — جز یاس مگر نہ کچھ ملی راہ

اسطرح وہ مستِ بادۂ شوق — مصروفِ شکار تھا بصد ذوق

کل فوج ہوئی نظر سے پنہاں — ناگاہ سنی صدائے افغاں

دیکھا تو کھڑے تھے چند زاہد — بولے وہ کہ "ہیں! یہ کیا ہے بیداد

توہینِ کرم نہیں ہے زیبا — بندوں پہ ستم نہیں ہے زیبا"

یہ سُنکے کیے یہ کرکے افسوس — وہ رکھ کے کماں ہوا قدمبوس

دی سب نے دعا کہ "یوں سدا ہو — نیکی سے تری، ترا بھلا ہو"

پھر بولے شہِ زماں سے وہ "نزدیک — ہے مسکن گنگو۔ یہاں سے نزدیک"

وہ ہونے کو ہے جگیہ اک وہاں آج — ہاں، جائیے آپ بھی مہاراج!"

یہ کہہ کے شہِ زمن کو پھیرا — گلشن کیطرف چمن کو پھیرا

تھا بسکہ جو شوقِ سیر دل میں — پہونچا وہیں باغِ متّصل میں

وہ باغ تھا یا مُراد کا پھل — جنگل میں رچا ہوا تھا منگل

پہونچا تو سُنی رسیلی آواز — دل کھینچ رہا تھا لحن کا ساز

سوچا وہ کہ دیکھیے تو کیا ہے — یہ کس گلِ حسن کی ہوا ہے

سودا سے نظارہ تھا جو سر میں — طائر کی طرح چھپا شجر میں

چہرے نظر آئے پیارے پیارے — یعنی اک چاند، دو ستارے

اُس ماہ کا وصف کیا بیاں ہو — خود فکر ہی گرچہ بازباں ہو

خوبی کا مجسمہ وہ سر تھا — یا حُسن کی شاخ کا ثمر تھا

پھولوں سے بسے تھے بال سارے — تھے چرخ پہ جلوہ گر ستارے

تھی آئینہ جبیں کی تنویر — دکھلا رہی عکسِ حُسنِ تقدیر

تھا آنکھوں و پتلیوں سے جلوا — کونین کے رنگِ مختلف کا

پلکیں تھیں کہ نصف چاند تھے دو — قوسین کہوں میں ابروؤں کو

رخساروں میں کچھ عجب سماں تھا — سعدین کا باہمی قران تھا

بینی میں ہلال کا تماشا — تھا طرفہ جمال کا تماشا

یوں رخ میں دہن کا تھا نظارا — مریخ تھا مہ میں آشکارا

ہو دید سے سوزِ عشق پیدا — یہ خاصہ تھا چہِ ذقن کا

تھا خم سے گلو کے صاف مخمور — شیشہ جس طرح مے سے مخمور

تھے ہاتھ کہ سارے نور کے ہاتھ — نعمت یہ کب آئی حور کے ہاتھ؟

وہ سینۂ ذرا جو اس پہ چل جائے — تو پائے نگہ پھسل پھسل جائے!

تھی خط سے یہی شکم کی تصویر — لوحِ سیمیں پہ نقشِ تسخیر

یوں ناف کھرا آئی تھی راس — خاتم میں جڑا ہو جیسے الماس

رکھتی نہ تھی حاجت آئینہ کی — زانو میں تھی صورت آئینہ کی

تھے محوِ خرام پائے گلفام — اک حشر بپا تھا جس سے ہر گام

جو موئے دراز کا سماں تھا — وہ آتشِ حسن کا دھواں تھا

صورت میں بھری ہوئی تھی شوخی — قامت میں بھری ہوئی تھی شوخی

اس طرح شکنتلا بصد ناز … واں جلوہ فروز تھی خوش انداز

وہ ساتھ سہیلیاں تھیں گلفام … انسویا اور پریمبدا نام

احساس نزاکت بدن تھا … سادہ سا لباس زیب تن تھا

تھا گلبدنی کا پاس یکسر … جسموں پہ گلوں ہی کا تھا زیور

گو وضع میں سادگی کا تھا ڈھنگ … چھوٹا پڑتا تھا حسن خوشرنگ

عالم تھا شباب و دل لگی کا … تھا دور عجب ہنسی خوشی کا

بھر بھر کے گھڑے وہ کھینچتی تھیں … ہر شاخ و شجر کو سینچتی تھیں

رک رک کے وہ کھینچنا غضب تھا … جھک جھک کے وہ سینچنا غضب تھا

تھالوں میں ہر گل، اُنھیں آب جاری … تھی حوض گلاب ہر کیاری

ظاہر تھی مثال سادہ روئی … نظارۂ حال سادہ روئی

چلنے میں وہ اک ادا سے رکنا … ہر گل پہ وہ شاخ گل سا جھکنا

وہ عارض سرخ پر عرق سے … بارش کا نظارہ تھا شفق سے

اڑ اڑ کے وہ آنچلوں کا پھنسنا … منہ پھیر کے شرم سے وہ ہنسنا

اک اک کا مذاق کی وہ لینا … اک اک کا غضب وہ چھینٹے دینا

وہ حسن کی ہائے بے نقابی … وہ مستی و لطف بے حجابی

قرباں ہوتا تھا دل صدا پر — نکلی جاتی تھی جان ادا پر

وہ محوِ نظارۂ پری رو — یعنی دُشینت شاہِ خوشخو

دیکھی جو وہ شانِ حسن دلسوز — دل میں ہوا عشق آتش افروز

مفتونِ شکنتلا ہوا وہ — دلدادۂ دلربا ہوا وہ

آنکھوں سے نظر نے دل اُڑایا — پہلوئے صنم میں جا چھپایا

تھی کل میں جو بے کلی ہویدا — تشویش غزل میں تھی ہویدا

غزل

کس مہ سے ہوئیں دوچار آنکھیں — ہیں مثلِ کتاں فگار آنکھیں

کس کی افشاں پہ تارے ٹوٹے — ہونے لگیں اشکبار آنکھیں

کس شمع سے لو لگی کہ گویا — پُتلی سے ہیں داغدار آنکھیں

کس مستِ شباب کی کشش ہے — جھکتی ہیں جو بار بار آنکھیں

انساں کو بنا کے چھوڑیں وحشی — اس بُت کی غزال وار آنکھیں

گردش میں جہاں کو لا رہی ہیں — گردش سے وہ سحر کار آنکھیں

دیکھوں وہ جمال عالم افروز — اے کاش ہوں بیشمار آنکھیں

کیا اس سے توقع وفا ہے		آخر ہیں امیدوار آنکھیں
	ہے عشق میں سحر اشکباری خواہش ہے کہ ہوں ہزار آنکھیں	

بیتاب تھا یوں ادھر یہ ناکام
گلگشت میں تھی اُدھر وہ گلفام

دونوں میں غضب کا بانکپن تھا
دونوں میں تناسب بدن تھا

دونوں تھے فروغ مہر خوبی
دونوں تھے مہ سپہر خوبی

دونوں میں ادائے یار کا ڈھنگ
دونوں میں شباب و حسن کا رنگ

تصویر مثال حسن دونوں
تنویر جمال حسن دونوں

تھا عشق سے اب مگر یہ عالم
مہتاب سے نور مہر تھا کم

شوخی سے وہاں نہ تھی اُسے کل
بیتابی سے تھا یہاں یہ بے کل

جو بات اُدھر، وہ فرحت انگیز
ہر کلمہ ادھر تھا بس جنوں خیز

واں پر تو نور سے پُر ضیا چاند
یاں سایۂ مہر سے مہر تھا ماند

خنداں تھی وہاں وہ صورت گل
نالاں تھا یہاں یہ مثل بلبل

تقدیر بھی کر رہی تھی تدبیر
تھا وصل سے عشق گرم تاثیر

اُڑ کر ناگاہ ایک بھونرا
چہرہ پہ شکنتلا کے پہونچا

بھا گئی وہ، اُدھر سے ہٹ گئی پھر
جھجکی، ٹھٹھکی، سمٹ گئی پھر

ہاتھوں کو پٹک پٹک اُڑایا
آنچل کو جھٹک جھٹک اُڑایا

آخر چلّائی ڈر کے مجبور
"سکھیو! دوڑو! اِسے کردو دور!

"پھر ہائے وہ دیکھو آرہا ہے
ناحق یہ مجھے ستا رہا ہے"

واں پاسِ وفا تھا، کمسنی تھی
ہر لحظہ لگاؤ تھا، ہنسی تھی

بولیں وہ کہ "جا جہاں ہے دشینت
فریاد رسِ زماں ہے دشینت

"تکلیف اُٹھانے والے ہم کوں؟
ہیں تجھکو بچانے والے ہم کون؟"

تھی چھیڑ جو اُن کی آب و گل میں
تو شہ نے کیا خیال دل میں

"جو کچھ ہو، چلو اسی بہانے
موقع دیا طالع رسا نے"

پہونچا وہیں جو تھی جائے اُمّید
اک بُرج میں آ لئے ماہ و خورشید

پوچھا اے مہوشانِ خوش رو!
"کیوں شور ہے، کون ہے جفا جو؟

"قاطع ہوا کون آشتی کا؟
دعویٰ ہوا کس کو سرکشی کا؟"

دیکھا جو اسے تو سب لجائیں
حیرت نے یہ حالتیں بنائیں

ششدر تھی ہر ایک بُت کی صورت
پتھر تھی ہر ایک بُت کی صورت

پھر آنکھ کا کچھ ہلوا ملانا
آپس کی ہنسی پہ مسکرانا

آخر انسوئیا بانداز
بولی "نہیں کوئی فتنہ پرداز"

اس گل کی وہ دلبری سنائی
زنبور کی خودسری سنائی

پھر شہ کو بٹھا کے با مدارات
رک رک کے حیا سے پوچھے حالات

"کیا نام ہے؟" کہا۔ کہا کہ "گمنام"
"کیا کام ہے؟" کہا کہا کہ "ناکام"

پوچھا کہ "حصولِ دستگیری؟"
بولا کہ "حفاظتِ فقیری"

یاں پھر شکنتلا وہ صورت
تھی عقدہ کشائے رازِ الفت

کچھ دور پہ سر جھکا کے بیٹھی
سب سے الگ آپ جا کے بیٹھی

وہ محوِ جمالِ دلربا تھی
یوں عشق کی دل میں ابتدا تھی

تھا عشق سے شرم کا بھی یہ حال
کن انکھیوں سے دیکھے وہ خط و خال

سوچی کہ چلا ہے اس کے بس میں
"شعلہ ہے نہاں ضرور خس میں

"وہ ذی قدر بشر حجاب میں ہے
پوشیدہ گہر سحاب میں ہے"

سمجھی نہ وہ سادہ دل یہ زنہار
ہیں عشق ہی کے یہ سارے آثار

مضطر تھا جو یاں گماں سے عاشق
واں وہ ہوئی لاکھ جاں سے عاشق

تھا دل میں بسا خیالِ محبوب
پوچھا راجہ نے حالِ محبوب

انسویا پھر بہ خوش بیانی — کہنے لگی عشق کی کہانی
وہ بسوا متر کی عبادت — وہ رشک کی ہر ملک کی عادت
وہ عرش سے مینکا کا آنا — وہ نفس سے خوئے زہد جانا
غنچہ میں وہ دخلِ موجِ صرصر — وہ نکہتِ گل - وجودِ دختر
عابد کا وہ خوف اپنے شر کا — شعلہ کا وہ چھوڑنا شرر کا
مادر کا وہ کچھ عجب تغافل — وہ باپ کا غم سے سب تغافل
پھر دخت کو کنو کا وہ لانا — وہ نام شکنتلا رکھانا
یوں ختم کیا ترانۂ عشق — سارا وہ کہا فسانۂ عشق
باتیں تھیں یہ آشنائیوں کی — گھاتیں تھیں یہ دلربائیوں کی
اٹھا اتنے میں شورِ ناگاہ — دیکھا تو تھا سرپہ لشکرِ شاہ
واقف تھے نہ رازِ عشق سے وہ — غافل تھے نیازِ عشق سے وہ
آتے ہی تپی وہ فوجِ غماز — افشا ہوا نامِ شاہ کا راز
دیکھا جو یہ خسرو نے کارخانہ — مانگی رخصت ہوا روانہ
دل چھین کے لیگیا جو طرار — بس دل میں شکنتلا ہوئی زار
ہر چند سہیلیوں کا تھا پاس — شیشہ میں مگر چھپا نہ الماس

کہتی تھی نہ آپ جسکو ڈر سے | وہ بات عیاں تھی چشمِ تر سے
راجہ جو چلا وہاں سے آخر | سکھیاں بھی مکاں کو پھر چلیں پھر
تھی گرچہ شکنتلا بھی ہمراہ | تھا سر میں سرِ نظارۂ شاہ
تو رہ میں یہ رہ پڑی جو یکبار | بولیں وہ "یہ کیا ہے" کہا "چبھا خار"
منظور بغرض ٹالنا تھا | کانٹا دل کا نکالنا تھا
یوں ہی کفِ پا سے تھا لگا ہاتھ | اور تھے دل و دیدہ شاہ کے ساتھ
بادل میں چھپا وہ شعلۂ برق | یاں زورقِ صبر ہو گئی غرق
تھا سیلِ الم جو بسکہ جاں پر | آئی یہ غزل ہمیں زباں پر

غزل

کس دشمنِ جاں سے لڑ گئی آنکھ | قابو میں جو اب نہیں رہی آنکھ
حیران جو کسی کے حسن سے ہے | وا ہو کے بنی ہے آرسی آنکھ
پڑتی ہیں زمیں پہ نگاہیں | ہے عشق میں محوِ بندگی آنکھ
آنکھوں میں سیاہ ہے زمانہ | اُس بُت نے ہی اب جو پھیر لی آنکھ
فرقت میں لہو میں رو رہا ہوں | بےوجہ نہیں لہو بھری آنکھ
مانا یہ کہ دل نہیں ہے، لیکن | کیوں اب نہ رہی وہ پہلی سی آنکھ

دشوار ہوا نظر کا پھرنا
ہے خندۂ گل بھی طعنہ زن آج

اس طرح اُس آنکھ سے لڑی آنکھ
ہر گُل کی جو کرتی تھی ہنسی آنکھ

کیا درپئے جورِ سحر ہے چرخ
کیوں پھر گئی مجھ سے مہر کی آنکھ

تیسرا باب

شادی

رباعی

ہے بس کششِ مہر سے گیتی کا وجود
مخلوق میں ہو کشش نہ کس طرح عیاں

ملتے ہیں کشش سے سارے بود و نابود
جب جوہر خاک میں کشش ہو موجود

آیا ہے جو ذکرِ وصل اے راس
جب ہمدمِ عاشقانِ پُرسوز
وہ صیدِ کمندِ زلفِ دلدار

یوں خامہ ہے محوِ روئے قرطاس
مشرق سے ہُوا زمانہ افروز
یعنی دُشنبت نو گرفتار

بہرِ تسہیلِ حلِّ مطلب
وہ اسوقت کسی سے کام کیا ہو؟
آخر پاتے ہی حکمِ شاہی
اور سوچ رہا تھا شاہ یکسر
اتنے ہی میں دو فقیر آئے
بولے کہ ہمیں تو نے بلایا
وہ مطلوب ہے بیگمہ کی حفاظت
یہ سن کے بہو اُن کے ہمراہ
اس طرح دیارِ جاں میں پہونچا
جب بیگمہ سے مل چکی فراغت
کوشاں طلبِ نگار میں تھا
ازبسکہ وہ تھا وفا کے بس میں
مژگاں سے کیا تھا آنکھ میں گھر
پایا جو غرض نشانِ منزل
واں ایک مقام پُر فضا تھا

سوچا کہ وہ رہو اکیلے ہی اب"
بس عشق میں وصل مدّعا ہے!
لشکر ہوا سوے شہر راہی
تدبیرِ وصالِ یارِ دلبر
پیغامِ نشاط خضر لائے
دیووں نے وہاں ستم ہے ڈھایا
بس لازمی آپ کی ہے شرکت
شاداں، فرحاں، رواں ہوا شاہ
بلبل سا وہ گلستاں میں پہونچا
[illegible] ہوا وہاں سے رخصت
مصروفِ تلاشِ یار میں تھا
پروانہ تھا شمع کی ہوس میں
دیوانہ کو تھی تلاشِ نشتر
آنکھیں ہوئیں کاروانِ منزل
دیکھا تو در آسیہ کا تھا

یعنی اک جا، میانِ اشجار
اور منظرِ دلفریب اُس جا
مضطر تھی شگفتلا جگر سوز

یوں رُخ سے رواں تجلّی آب
یہ حال ہوا سے زلف کا تھا
اُس دیدۂ نیم باز کی دید

اور پھر سکونِ قلبِ مضطر
آنکھیں تھیں کہ آنسوؤں کے دربار

دل ہی میں نہ تھا دردِ حسرت
تھے غم میں سما رہے اس اُسکے

دو ذرے تھے آفتابِ پُر غش
یا ناز و ادا حجاب کے گرد

تھی گرمیِ عشق دہنے بائیں
تھا ابر میں جلوہ روشنی کا
کہتی تھیں وہ یہ اضطراب کیوں ہے

ظاہر تھی نشستگاہِ دلدار
تھا پاس ہی مالتی ندی کا
سایہ میں پڑی تھی جلوہ افروز

جسطرح سحر سے نورِ مہتاب
اک دُود تھا آتشِ جگر کا
کچھ یاس دکھاتی تھی، کچھ اُمید

تھے سینہ پہ چھاتیوں سے پتھر
اک سبحۂ عشق تھا نمودار

کُل جسم تھا اک نمودِ حسرت
دونوں سکھیاں تھیں پاس اُسکے

یا دونوں مجوس محوِ آتش
یا شرم و حیا شباب کے گرد

آنچل سے وہ دیتی تھیں ہوائیں
یا سایہ میں کھیت تھا ندی کا
اسطرح یہ پیچ و تاب کیوں ہے

"ہے کس بُتِ فتنہ خیز سے کام؟ — بھولا ہے تجھے جو خواب و آرام!"
"کس گُل کی تجھے تلاشِ بو ہے؟ — کس کھوئے ہوئے کی جستجو ہے؟"
"ہے عشق میں تو غمِ جدائی — انجام ہے اس کا بیوفائی"
"رنگ آہ، اُڑا ہے رنگِ تمثال — مُرجھا گئے وہ جو گل سے تھے گال"
"مُو، رُخ پہ نڈھال آگئے ہیں — آئینہ میں بال آگئے ہیں"
"ہاں سوچ! فہیم تو بڑی ہے — دشینت کو تیری کیا پڑی ہے؟"
"ذی جاہ کو کیا حقیر سے کام؟ — ہاں، شاہ کو کیا فقیر سے کام؟"
"اک ملکۂ حُسن ہو کے تو بھی — البتہ ہے شاہ کی مساوی!"
"گو یوں ہے بہت بجا، ز عشق — پر کب ہے فراغت آشنا عشق؟"
"ہے اپنی نجات اگر گوارا — کر عشق کے بحر سے کنارا!"
یہ سُن کے کہا شکنتلا نے — دردِ غمِ دل کی آشنا نے
"جادو یہ نہیں کہ در سے ٹل جائے — سایہ یہ نہیں کہ سر سے ٹل جائے"
"کچھ سہل نہیں ہے بے نیازی — کچھ کھیل نہیں ہے عشقبازی"
"جھیلی ہو جو یوں کڑی تو جانو — ہو تم پہ اگر پڑی تو جانو"
"سمجھاؤ اُسے جو ہو خرد مند — دیوانہ کو کیا ہے حاجتِ پند؟"

"مجبور ہوں دل سے ہائے افسوس
میں آپ ہوں مبتلائے افسوس"

"کچھ لطف ہے انتظار میں بھی
کچھ کیف ہے ہجرِ یار میں بھی"

"حالت بنے بہتر اب کہ ابتر
اٹھ جائیگی خود جو ہے پڑی سر"

"موت آئے کہ وصل ہو، خدا نے
تقدیر کے کیا ہیں کارخانے"

"ہمدرد ہو غمگسار ہو کر
قربت رکھو پاسدار ہو کر"

یہ کہتے ہی ہو گئی وہ خاموش
معشوق تھا یاد، سب فراموش

سکھیوں نے بھی پھر وہ بات ٹالی
تسکین کی راہ یوں نکالی

سوچیں کہ کچھ یونہی نقلِ غم ہو
اک نامہ میں حالِ غم رقم ہو

تھا دل میں بقدرِ دل کا احساس
پتا تھا کنول کا جائے قرطاس

لکھا یہ شکنتلا نے اس دم
"اے سرورِ خسروانِ عالم!

اے عالمِ رمزِ جاں پناہی!
اے عاملِ طرزِ بادشاہی!

اے گوش دہِ فغانِ بیکس!
اے حوصلہ بخشِ جانِ بیکس!

اے رنگ نمائے حسنِ الطاف!
اے نور فزائے شانِ انصاف!

یوں ظلم ہے مجھ غریب پر کیوں؟
سختی ہے ستم نصیب پر کیوں؟

دکھلا کے ادائے آشنائی
کرتا ہے اب آہ، کج ادائی!"

یا تجھسے ہوئی تھی کسقدر آس — یا میں ہوں اب اور یہ حالت یاس

وہ کیوں مجھ پہ تری نظر نہیں ہے — کیوں تجھکو مری خبر نہیں ہے

مانا نہیں مرے غم کا احساس — کر اپنے ہی نام نیک کا پاس

دیکھوں کہ دکھائے کیا مقدر — بیداد نما ہے داد گستر

کوئی بھی تو داغ الم ہو — وہ عدل ترا ہو یا کرم ہو

ورنہ مری بیدلی کا انجام — کر دے گا تمام جان کا کام

یہ لکھکے ہوئی جو سخت مایوس — پھر ہو گئی محو رنج و افسوس

وہ تفتۂ نار عشق کم بخت — یعنی دشینت سوختہ بخت

تکلیف ستم کا حال سنکر — تڑپا تپ رنج و غم سے گھن کر

اس طرح گیا قرار تن سے — جسطرح بہار گل چمن سے

دروازۂ صبر جب ہوا بند — بیتاب چلا وہ آرزومند

چھپ چھپ کے شکنتلا تک آیا — خوشبو کی طرح صبا تلک آیا

کانوں میں صدائے پا جو آئی — ان سب نے ادھر کو آنکھ اٹھائی

دیکھا تو کشش تھی جذب دل کی — تاثیر تھی آہ متصل کی

نامہ کا جواب یوں عیاں تھا — راجہ دشینت خود وہاں تھا

سکھیاں وہیں رنج و غم گئیں بھول
گل بن کے شکنتلا گئی پھول

چمکا پھر ایک نور تن سے
چھوٹا مہتاب پھر گہن سے

پھر از تھیں دونوں بسکہ دانا
جو پاس حجاب تھا وہ جانا

تو چھوڑ کے اُس کو ہٹ گئیں وہ
قسمت کی طرح پلٹ گئیں وہ

تنہا دشینت نے جو پایا
دلدار کو سینہ سے لگایا

گستاخی شاہ پہ بھڑک کے
اُٹھی وہیں شعلہ رو بھڑک کے

معشوقہ کو دیکھکر غضبناک
دامن سے گرا وہ صورت خاک

اُس بت پہ وہیں نثار ہو کر
کہنے لگا شرمسار ہو کر

ناحق مجھے تو نے سرزنش کی
یہ تیرے ہی حسن کی کشش تھی

کب تیرہ نصیب فلک کے قابل
انسان کہاں ملک کے قابل

سائل پہ بجائے زر فشانی
مائل پہ روا ہے مہربانی

عاشق کی امید کا ہو یوں یاس
ٹوٹے نہ امیدوار کی آس

اُس نے یہ کہا کہ ”اے مہاراج!
محتاج ہیں، آپ صاحب تاج ہیں

مجھ نادر سے آپ کی ہنسی کیا؟
راجہ کی گدا سے دل لگی کیا؟

قابل ہیں ستانے کے کہاں ہم
ہیں آپ ہی تنگ و [illegible]

"کب مجھ کو کسی کا آسرا ہے؟ — غم ہی فقط ایک باوفا ہے!"

"برگشتہ ہوئی ہے ہائے تقدیر — دل مجھ سے پھرا ہے وائے تقدیر"

"آنکھوں میں مرے جہاں ہے تاریک — شب کی طرح دن بھی یاں ہے تاریک"

"تو شاہِ کرم، میں طالبُ الرّحم — تو بحرِ عطا، میں واجبُ الرّحم"

یہ کہہ کے بھر آیا جی تو ناچار — ڈوبی یمِ خامشی میں یکبار

تھا جوشِ شباب اور حیا تھی — اک کشمکش یونہی رونما تھی

رونے لگی دل پہ رنج سہہ کے — جوں اشک گری قدم پہ شہ کے

روکا راجہ نے جوشِ غم کو — تسکین دی قلبِ پُر الم کو

پہلو جو کشش کا اس نے پایا — دل کی طرح سینہ سے لگایا

بولا کہ حسن! اے نگارِ مہوش! — گلچہرہ و گلعذارِ مہوش!"

"یاں نقش ہے باہزار تنویر — آئینۂ دل پہ تیری تصویر"

"بے تیرے ہے ملکِ عیش تاراج — اورنگِ خیال و خواب بے تاج"

"بھولا ہوں خزانہ گو کہ ہوں شاہ — ہے تیرے ہی گنجِ حسن کی چاہ"

"چھوٹا حشمِ شہی وطن میں — آوارہ فقیر سا ہوں بن میں"

"گیسو کا ترے خیال کیا ہے — ہر دم مرے سر پہ اک بلا ہے"

"آنکھوں کی چمک ہے جی جلاتی — بجلی سی نظر سے ہے گراتی"

"عشقِ ابروے پُرستم سے — ہوں قوس سا سرنگوں الم سے"

"یونہی جو رہا غمِ نہانی — تو مرگ ہے مجھکو زندگانی"

"یاں ہجر میں تیرے، رشکِ خورشید! — ہر لحظہ تپاں ہے قلبِ نومید"

"ارماں کو ترا وصال بس ہے — حسرت نہ ہے، یہی ہوس ہے"

"ہجراں سے مجھے نجات ہوجائے — للّٰہ اب التفات ہوجائے"

یہ سُن کے کہا کہ" آہ افسوس — اپنا بھی ہے دل تباہ، افسوس"

"کچھ ہے تو یہ چارۂ الم ہے — اِک اور ترا شریکِ غم ہے"

"تجھکو ہی فقط نہیں مری چاہ — دلدادہ تری ہوں میں بھی ای شاہ!"

"جسوقت سے دیکھی تیری صورت — مجھپر بھی کھلا ہے رازِ الفت"

"بھولی ہوں گلوں کا حسنِ خوشرنگ — غنچوں سے بھی ہو گئیں سخت دلتنگ"

"یوں لیل و نہار ہیں نظر میں — نے شام میں لطف، نے سحر میں"

"پہلو ہیں مرے جنوں میں ڈر کے — ہے سایہ سے خوف ہر شجر کے"

"جس چیز سے تھی کمال رغبت — اب اُس سے ہوئی ہے سخت نفرت"

"دل خوش تھا سو اب ہے زار تجھ بن — ہے آہ، خزاں۔ بہار تجھ بن"

عیسیٰ مرے! اب ہے غیر حالت
ہے رُخ سے پریدہ رنگِ صحت

چندے جو رہا یہ دورِ ہجراں
مرنے ہی پہ ہوگا وصلِ جاناں

گر اب مری زندگی ہو منظور
کر کلفتِ ہجر یکقلم دور!

یہ کہکے عجب حجاب آیا
روئی، ہاتھوں سے منھ چھپایا

راجہ نے دوائے بیدلی کی
سینہ سے لگاکے دلدہی کی

معشوق کا پاکے باوفا عشق
دونا دلِ شاہ میں ہوا عشق

شادی کی تھی غم رسیدوں کو چاہ
گندھرب طریق سے کیا بیاہ

یاں شوقِ وصال جوش زن تھا
واں عذرِ نزاکتِ بدن تھا

اِسکا وہ شباب تھا کہ توبہ!
اُسکا وہ حجاب تھا کہ توبہ

یاں نکلے کلام سے کچھ ارمان
گھُٹتی تھیں حیا سے حسرتیں واں

یوں گزری جو حد سے جوششِ دل
دونوں کو ہوا قرار مشکل

تھا پردۂ شرم عشق سے چاک
خوش ہوکے ملے وہ دونوں غمناک

تھی میل میں دل لگی کی صورت
شادی سے بنی خوشی کی صورت

اُس گُل سے ہوئی اُمید بر کی
آمد ہوئی سرو میں ثمر کی

---

۱۵ اس طریقہ پر اہلِ ہنود میں باقتضاے ضرورت بیاہ کی رسم آناً فاناً ادا ہو جاتی ہے - سحر

گُذری جو یہ عیش و کامرانی
خاتم غرض اپنی وہ نبھا کے
رخصت پھر چاہی دلربا سے
دل رنجِ فراق سے بھر آیا
گریہ کی جو تھی اُدھر بھی شدّت

سوچا وہ کہ دو کوئی نشانی
حلقہ میں خود آگیا وفا کے
تسکین بخشی، دیے دلاسے
بوسے لیے اور گلے لگایا
آنسو پونچھے، کہا کہ رخصت!

اُمید بندھا کے خستہ تن کی
مشیت نے راہ لی وطن کی

چوتھا باب

انجامِ بیخودی

رُباعی

جب آنکھ لگی تو دل سے گم تھا سب کچھ
صبر آیا ہم کو ہوش پایا سب کچھ
غفلت کا بُرا ہو یا ہو اچھّا انجام
اک یاد رہا تو عشق بھولا سب کچھ

کرتا ہے جو ذکرِ غم کا ساماں
یوں خامہ صریر سے ہے نالاں

وہ کُشتۂ تیغِ عشقِ دلدار
یعنی وہ شکستہ دل افگار

سختیِ غمِ فراق سہتی
محبوسِ تشدّدات رہتی

سکھیوں کو بھی رو کے گہ رلاتی
گہ بیاہ کا ماجرا سُناتی

بڑھتا جو کبھی شکِ نہانی
خاتم تھی دوائے بدگمانی

دل سوز سے ہو رہا تھا فانوس
جلتی تھی برنگِ شمعِ فانوس

تلخی سے تھی بھوک پیاس برباد
شیرینیِ لب کسی کی تھی یاد

تو فیرِ خیال سے پریشاں
تھی صورتِ حال سے پریشان

دل میں ہوسِ کنارِ معشوق
اور آنکھ میں انتظارِ معشوق

اک روز کہ بس وہ روز تھا نحس
شبہائے فراق سے سوا نحس

وحشت میں چلی وہ جانبِ دشت
مانندِ صبا برائے گلگشت

چلنا کسکا تھا، کیا ٹہلنا
منظور تھا دل کا کچھ بہلنا

دریا کو بھرا ہوا جو پایا
تو جوشِ الم سے دِل بھر آیا

چشمِ گریاں حباب دیکھے
امواج کے اضطراب دیکھے

اندوہِ نہاں تھا حسرت افزا
بے یارِ سماں تھا حسرت افزا

دیکھا جو گلوں کو چاک داماں　　شبنم صفت اُن پہ تھی وہ گریاں

سنبل نے اُڑائے زلف سے بال　　لالہ نے دکھائے یار کے خال

رفتار نسیم دلربا تھی　　دانائی و عقل سب ہوا تھی

دل میں جو ہوا فزوں زحد رنج　　پڑھنے لگی یہ غزل بصد رنج

غزل

چاہا کہ جئیں وفا سے تیری　　موت آئی مگر جفا سے تیری

جائے گی خیالِ زلف میں جان　　مرجاؤں گا میں بلا سے تیری

اے رشکِ نسیم بادِ رفتار　　پوچھیں گے خبر صبا سے تیری

آہو سیکھیں گے سحرِ تسخیر　　اُس نرگسِ سرمہ سا سے تیری

آوارۂ جستجو ہیں کیا کیا　　آتی ہے جو بُو ہوا سے تیری

تھی وصل میں بھی جو نامرادی　　شکوہ ہے ہمیں ادا سے تیری

غنچہ میں ہے سازِ لحن گویا　　اے غنچہ دہن صدا سے تیری

ہم مر گئے وائے بختِ معکوس　　یادِ لبِ جاں فزا سے تیری

مرجائے تو سحر کی نظر میں
پردہ ہو احیا سے تیری

کہتی تھی کہ "اے بہارِ قدرت! | اے ہوش‌ربا نگارِ قدرت!"

"ہے جبکہ کشش تری ادا میں | کھینچا اُسے کیوں نہ پھر فضا میں!"

"نرگس کی پھری تھی چشمِ بدخو | روکا نہ اُسے، چلا نہ جادو"

"سوسن! تو ہی خوش بیان ہوتی | گویا منھ میں زبان ہوتی"

"سیدھا نہ تھا اسے تو بھی شمشاد! | کچھ آئی نہ روک تھام کی یاد"

"سبزہ پہ بھی نیند کا رہا بار | پکڑے نہ لپٹ کے پائے دلدار"

"تو ہی مری آہ! کچھ ہوا باندھ | پیچوں میں ذرا اثر کو لا باندھ"

"جاں لے چکا خروش تیرا | اے نالہ! عبث ہے جوش تیرا"

"ہے گریہ پاسِ اشکِ تر میں | ہے آگ لگی دل و جگر میں"

"ہیں ہجرِ صنم میں دونوں یکساں | اب شامِ فراق و روزِ ہجراں"

"کب تک کوئی بارِ غم اٹھائے؟ | کب تک کوئی ستم اٹھائے؟"

"ہو خار نصیب اس خلش کو! | یا رب لگے آگ اس تپش کو!"

"مٹ جائے یہ کاوشِ نہانی | ہو مرگ نصیبِ زندگانی!"

کہتی تھی کہ "اے خیالِ دلدار! | پر تو فگنِ جمالِ دلدار!"

"تصویر کا عکس سے ہو کیا کام؟ | کیا نقل سے اصل کا بھلا کام؟"

”ہے جراُسی میں [illegible] جا جا! — جلد اب مجھے چھوڑ کر چلا جا!“

کمھلائے نہ رنگ [illegible] کا تیرا — ہو سرخ نہ خوں سے ہاتھ تیرا!“

پچھتائیگا ہوگا تو پشیماں — کردوں گی میں تجھ پہ جان قرباں“

”اے دل! تجھے ہائے کیا ہوا ہے؟ — کیا عشق میں بسکہ مبتلا ہے؟“

”دلبر کو جو ہو اثر تو جانوں — آئے وہ ابھی اِدھر تو جانوں“

”یوں ہی جو تڑپ تری رہے گی — دنیا مجھے ہائے کیا کہے گی؟“

”لیکن یہ خیالِ خام کیسا؟ — اندیشۂ اتہام کیسا؟“

”ڈر کا مجھے حق میں پاس کیوں ہو؟ — جب عیب نہیں ہراس کیوں ہو؟“

”اچھا ہے جو حال یوں ردی ہے — ہونے دے برائی جو بدی ہے!“

”دیکھے گا کبھی تو شاہ آکے — آثار جفا کے اور وفا کے“

”اے عشق! یہ نفرتِ وفا کیوں؟ — مظلوم پہ جبر کیوں جفا کیوں؟“

”بدلی ہے بسانِ ابر حالت — رونے سے بنی ہے ہائے کیا گت“

”مشہور ہے بسکہ تو اثر میں — ہے سحرِ کشش تری نظر میں“

”گمنام بنا نہ نام اپنا! — کر راہِ عمل میں کام اپنا!“

”احساں ترا کب رہیگا سر پہ؟ — نکلی جو تڑپ کے جانِ مضطر“

اس طرح تھی محو وہ دل آرا — گذرا درویش اک قضا را

دُربا سا اُس کا نام نامی — مشہور بخصلتِ گرامی

اُس دم تھی وہ سرو قد جو معذور — تعظیم کو اُٹھ سکی نہ مجبور

تو ہو کے مطیع خشمناکی — عابد نے وہیں یہ بد دعا کی

وہ بھولی ہے تو جسکے غم میں ناشاد — بھولے سے نہ وہ کرے تری یاد

واں اور ہی تھا خیال سر میں — تھی بیخبری دل و جگر میں

سکھیوں نے مگر سنی صدا وہ — درویش کی یعنی بد دعا وہ

دیکھا جو فقیر کو غضبناک — لپٹیں قدموں سے صورتِ خاک

راجہ کا اُسے ستم سنایا — مجبور کا حالِ غم سنایا

کر کے مجبوریوں کا اظہار — آخر ہوئیں عفو کی طلبگار

آیا ترس اُس کو تو کہا وہ ہے — ممکن نہیں بات جھوٹ ہو جائے

پھر سوچ کے بول اُٹھا وہ دلگیر — وہ بتلاتا ہوں خیر اک تدبیر

مُہر اپنی جو دیکھے شہ کہیں سے — یاد آئیگی نام کی نگیں سے

یہ کہکے رہا نہ وہ ذرا پاس — یہ دونوں گئیں شکستہ از یاس

تسکین جو اُس کی تھی گوارا — یہ راز کیا نہ آشکارا

پانچواں باب

شکوہ فراموشی

رُباعی

ہے وجہ سیہ طالعی صفائے معشوق
کمیاب ہوئی جنسِ وفائے معشوق
ہے شکوۂ روزگار اے سحر عبث
مشہورِ زمانہ ہے جفائے معشوق

لکھنا ہے جو حالِ آہ و زاری
یوں کلک کی اب ہے اشکباری
چشمے جو رہا یہ دورِ فرقت
تو بدلی شکنتلا کی حالت
آہوں سے رہا جو کام یکسر
چہرہ سے اُڑا وہ رنگ اور
لائی یہی رنگ اشکباری
زائل ہوئی آبِ جسم ساری
رنج اپنا حیا سے ضبط کرتی
اندیشہ سے جی ہی جی میں مرتی
سکھیاں مگر اُسکی تھیں جو ہمراز
سمجھیں سب یہ طورِ غم کے انداز
غمخوار جو اُسکی ہمزباں تھیں
خود بھی وہ غریب خستہ جاں تھیں

سوچیں "کہیں خیر میں نہ شر ہو | ایسا نہ ہو اور یہ بتر ہو"

"ڈر ہے کہ جنوں میں ہو کے بیباک | کرے نہ قبائے زندگی چاک"

"یا عشق نہ خنجرِ گلو ہو | اُلفت میں شہید و سرخرو ہو"

"یا وصلِ صنم کی آرزو میں | کھو جائے کہیں نہ جستجو میں"

"بہتر ہے کہ کنگو پاس جا کر | سب حال سُنائیے چھپا کر"

"ممکن ہے کہ فکرِ وصل کی ہو | پیدا نئے سر سے زندگی ہو"

القصہ گئیں وہ نزدِ درویش | سب حال کہا بلا پس و پیش

تھا رنجِ شکنتلا سے ناشاد | شادی کی خبر سے وہ ہوا شاد

سوچا کہ "ہے گُلِ چمن کو موزوں | شوہر ہی کا گھر ہے زن کو موزوں"

پھر جلد کیا سفر کا ساماں | جانے کے لئے گزر کا ساماں

آخر جو دمِ وداع آیا | اُس روحِ رواں کو پھر بلایا

بولا کہ "ہے اب ندامت اس جا | بیجا ہے تری اقامت اس جا"

"راجہ سے ہُوا ہے بیاہ تیرا | بہتر ہے وہیں نباہ تیرا"

"کرنا طاعت نثار ہو کر | رہنا خدمت گزار ہو کر"

"اکسیر ہے خاک پائے شوہر | ہے حق کی رضا، رضائے شوہر"

یوں ہی سمجھا کے اور بُجھا کے — بولا "رخصت! گلے لگا کے

کرکے دو چیلے اُس کے ہمراہ — کی راہنمائی حسب دلخواہ

مجبور جو تھی وہ بے بسی سے — روئی مل مل کے ہر سکھی سے

سکھیوں نے بھی پیار سے بس یکسر — پھولوں کے پہنا لئے اُسکو زیور

یوں بولیں پھر اُس سے وہ خردمند — "اُصلا نہیں تجھکو حاجتِ پند"

"بھولے تجھے گر وہ شاہِ دانا — انگشتری بر محل دکھانا"

روتی ہوئی بولی پھر وہ ذی ہوش — "کرنا نہ کبھی مجھے فراموش!"

"ہے سخت جو اس جدائی کا غم — خوش ہو کے کبھی ملیں گے باہم"

پھر کہنے لگی یہ بے تامل — "تارے مری آنکھ کے ہیں یہ گُل"

"یوں لطف سے شاد کام رکھنا — شاداب انھیں مدام رکھنا"

دیوار سے، در سے مل کے روئی — ہر ایک شجر سے مل کے روئی

رو رو کے کہا کہ "اے گلِ باغ! — ہیں یاد کو تیرے دل کے بس داغ"

"بھولے گا مدام تو اثر سے — سینچے جاتی ہوں اشکِ تر سے"

"اے آہوئے دشت ہو اجازت — اب اپنی سکھی کو دو اجازت!"

"اے جملہ طیورِ نغمہ خواں! ہاے — اُٹھتا ہے اب اپنا آشیاں ہاے"

تفریحِ فضائے دشت، رخصت — ترویحِ ہوائے دشت، رخصت"

پھر دیکھ کے آخری نظر سے — بن کو نکلی غریب گھر سے

تھی دل میں غمِ وطن کی توقیر — چلتی تھی وہ جیسے ماندہ دلگیر

یوں گُم تھی وہ خود کو کھونیوالی — ہو کر رہی بات ہونے والی

کچھ دُور گئی تو ایک دریا — لکھا قسمت کا سامنے تھا

جلتا تھا جو اُس سے چرخِ پُرفن — پانی میں گئی وہ سوختہ تن

دھونے کی جو دست و پا کے تھی چاہ — ڈوبی دریا میں خاتمِ شاہ

الفت کا نشان یوں مٹایا — بیہوش کو ہوش کچھ نہ آیا

منزل پہ غرض وہ جا کے پہنچی — راجہ کے محل تک آکے پہنچی

درخواست اجازتِ گزر کی — دربان نے شاہ کو خبر کی

مُشتیت نے جلد اُسے بلایا — آئینہ کو روبرو منگایا

عابد کی دعا کا یہ اثر تھا — دیکھا تو وہ شاہ بے خبر تھا

پوچھا "اے حور! اے پری رو! — کس باغِ جنان سے ہے اڑی تو؟

"وجہِ عدمِ قرار کیا ہے؟ — کیوں آئی ہے؟ مجھ سے کار کیا ہے؟"

بولی وہ، جو دیکھی طرزِ بیداد — "مظلوم ہوں، کر رہی ہوں فریاد

"میں ساکنِ خانۂ الم ہوں ناکام ہوں، مبتلائے غم ہوں"

"خدام کو ہے مطاع کا ساتھ خورشید سے ہے شعاع کا ساتھ"

"تیری ہی کنیزِ باوفا ہوں تیری ہی تو ہائے کتخدا ہوں"

"تیرا ہے ظلم، بے وفائی میرا ہے جرم، آشنائی"

اس بات نے شاہ کو ہنسایا تقدیر نے طرفہ گل کھلایا

بولا وہ کہ "مجھکو کہتی ہے کیا؟ کچھ ہوش ہے تجھکو، کہتی ہے کیا؟"

کس طرح ہے؟ کیسے حال میں ہے؟ کیا دھیان ہے کس خیال میں ہے؟

"میں کیا جانوں تری کہانی؟ کیسی شادی؟ کہاں کی رانی؟"

راجہ کی جو کچھ ادائی دیکھی خود آنکھ سے بیوفائی دیکھی

تھی خستہ دلِ فگار پر وہ گریاں ہوئی حالِ زار پر وہ

تھا صبر و قرار وقت تاراج بولی گھبرا کے "اے مہاراج!"

"کیوں اسے تجاہل اسقدر ہے؟ ہے سب خبر، اور بے خبر ہے!"

"دانا ہو کر بنا ہے ناداں سب جان کے بھی بنا ہے انجاں"

"وہ صید، وہ بن تجھے نہیں یاد؟ وہ دل کی لگن تجھے نہیں یاد؟"

"بھولا وہ عین ادائے شادی؟ یعنی وہ شکنتلا سے شادی؟"

"اُسے کاش جبھی حجاب ہوتا!
بچنا تھا تو اجتناب ہوتا!

"یاں میں ہوں غریقِ جاہِ الفت
واں خاک ہے نقشِ راہِ الفت"

"واجب ہے لحاظِ عشقبازی
دلبر کو بجا ہے دل نوازی

"آئے ہوئے پر ستم یہ، ہیہات!
مہماں کی ضرور ہے مدارات"

"گر کچھ ہے خیالِ آزمایش
میں خود ہوں مثالِ آزمایش

"غربت میں ہوں خوار تیری خاطر
چھوڑا گھر بار تیری خاطر"

"میں حبسِ عشق میں ہوں دلتنگ
سختی سہتی ہوں صورتِ سنگ

"وابستہ ہے تجھ سے جانِ بیمار
ہیں مرگ و حیات دونوں دشوار"

"معلوم نہ تھا خوشی میں غم ہے
قسمت ہی میں حصۂ الم ہے"

"ورنہ مرجی کے صبر کرتی
مجبور تھا دل تو جبر کرتی"

"اچھا تو شہادتِ وفا دوں
باور نہیں گر تجھے، دکھا دوں

انگشت پہ پھر نظر جو ڈالی
دیکھا خاتم سے ہاتھ خالی

گھبرائی کہ کیا ہوئی انگوٹھی
سچی ہوتی ہے بات، جھوٹی

بیتاب ہوئی جو اور غم سے
پڑھنے لگی یہ غزل الم سے

غزل

معتوب پہ یہ عتاب کیوں ہے
مظلوم پہ یہ عذاب کیوں ہے

طوفان ہو نوح کا نہ برپا
پھر اشک سے عالم آب کیوں ہے

تدبیرِ سکوں نہیں کوئی آہ
دل ورنہ پُر اضطراب کیوں ہے

جو طبع پہ اُس کی بھی گراں ہو
اتنا غم بے حساب کیوں ہے

ہوں دامِ بلا کی خود میں نخچیر
اُس زلف کو پیچ و تاب کیوں ہے

ہے اِس میں کچھ اپنے بخت کا پھیر
اُس طبع میں انقلاب کیوں ہے

کتنا ہے غم و الم کا احساس
دُنیا ہمہ رنگِ خواب کیوں ہے

اے روح نکل کہیں بدن سے
بے فائدہ اضطراب کیوں ہے

تھی بات تری تو راست اے سحر
اب کلمۂ ناصواب کیوں ہے

راحت نے کہا و دکھاتے گھاتیں
خاموش ہو میں بنا نہ باتیں

وہ بدنام نہ نیک راہ کو کرا
ماخوذ نہ بے گناہ کو کرا

وہ حیلہ سے چلی ہے لینے مجھکو
آئی ہے فریب دینے مجھکو

"خود رفتہ نہیں کہ بھول جاؤں — کچھ یاد ہو تو زباں پہ لاؤں"

"جب رشتہ نہیں نباہ کیسا؟ — بیگانہ سے میل و بیاہ کیسا؟"

"ہر چند ہے پاسِ مقصدِ خیر — ممنوع ہے صحبتِ زنِ غیر"

"تجھ پر مجھے رحم سر بسر ہے — پہ قہرِ خدا کا سخت ڈر ہے"

"بہتر ہے کہ اپنا راستا ڈھونڈھ — کھویا ہے جسے اسی کو جا ڈھونڈھ"

راجہ سے جو یوں جواب پایا — غصہ وہیں غمزدہ کو آیا

بولی کہ "نہیں تری زبانی — زیبا تجھے یہ غلط بیانی"

"خود ہو کے ذلیل اے بدانجام — کرتا ہے مجھے ذلیل و بدنام"

"اب آن پہ تو نہیں ہے قائم — ایمان پہ تو نہیں ہے قائم"

"بھولا رہِ عدالت پناہی — یعنی آئینِ بادشاہی"

"یوں عاملِ فرض جب نہیں تو — بس راج کے قابل نہیں تو"

"ہے داورسی کی طرفہ ایجاد — فریاد ہے تجھ سے یہ بیداد"

"اچھا قسمت کا جو لکھا ہو! — راضی ہوں اسی پہ جو رضا ہو!"

"امید سے آئی شاد ہو کر — اب جاتی ہوں نامراد ہو کر"

"یاد آئے گی میری گر کسی دن — پچھتائیگا سوچ کر کسی دن"

محروم ہوں اپنے ہم بغل سے
رشتہ جوڑوں کی اب اجل سے

یہ کہہ کے وہ نکلی صورت آہ
اور ہو گئی ساتھیوں کے ہمراہ

بولے وہ کہ اے کثیف دامن
کس منھ سے چلیگی اب تو بن بن

چھوڑا راجہ نے ہاتھ تیرا
بہتر نہیں اب تو ساتھ تیرا

یہ کہکے چلے وہ، منھ کو موڑا
پیچھے اُسے نقشِ پا سا چھوڑا

ہر سمت کلام یاس سن کے
روئی مایوس سر کو دھن کے

بولی وہ ہے ہے یہ دن خدایا
"دورِ ایام نے دکھایا"

حامی نہیں کوئی بہر امداد
ساتھی نہیں کوئی وقت افتاد

دو اے عشق بتا کدھر رواں ہوں؟
آوارہ ہوں اور خستہ جاں ہوں!

یوں سوچ میں وہ کھڑی تھی ناچار
ناگہ ہوئی ہنس کا نمودار

ہالہ میں لیا قمر کو آ کے
فردوس کو لے چلی اُڑا کے

چھٹا باب

غمگساری

رباعی

پہونچا کسی کی جانِ شیریں کو گزند — کیا کیا ہرنیں کے جسمِ نازک پیوند
افزوں ہوتی ہے اور بیتابی سحر — ہوگی نہ کبھی عشق میں تاثیر بلند

لکھتا ہے غمِ نہانِ عاشق — گویا ہے قلم زبانِ عاشق
جب مینکا اُڑ گئی سما کو — ہاتھوں میں لیے شکنتلا کو
لیجا کے وہیں مکاں میں رکھا — اُس حور کو یوں جناں میں رکھا
گھبرائی شکنتلا کہا "ہائے! — کسطرح یہ کیا سے کیا ہوا ہائے"
"مَیں بیخبر اور نیمجاں ہوں — کیا جانیے کیا ہوں اور کہاں ہوں"
"وہ گو عشق کی خوب ابتدا تھی — ہوئی بُری اُسکی انتہا تھی"
"جاں دینے نہ پائی دلربا کو — دکھلائی وفا نہ بے وفا کو"
"ارمانِ دلِ حزیں نکلتا — کل پڑتی جو دم کہیں نکلتا"
"اے دل! تری کچھ ہوئی نہ قدر آہ — بہ جا کہیں آنسوؤں کے ہمراہ"
"دے تن کا کبھی نہ لحظہ بھر ساتھ — روح اپنی قفس کا دے اگر ساتھ"
"یہ بستہ جلوں تو اِس سے حاصل؟ — اکبار جلا دے اے تپِ دل!"

"اک خواب ہے جب قرارِ دنیا — ناحق ہو پھر اعتبارِ دنیا"

"تھے عشق کے جسکے لب پہ کلمات — پوچھی اُس نے نہ بات ہیہات!"

"حیراں ہوں کہ اُسنے کیوں جفا کی — کیا ہائے خطا تھی بیخطا کی؟"

"رویا نہ فغانِ بے اثر سے — دل تک نہ پہنچا چشمِ تر سے"

"تھا پہلے جو عہدِ آشنائی — ٹیڑھی تھی پھر آہ کج ادائی"

"جانے یہ مرے جو ناخوشی تھی — ناحق تھی جو یوں فرامشی تھی"

"دارُوے ملال اور کیا تھی؟ — تدبیرِ وصال اور کیا تھی"

"کام آئی نہ اشک کی روانی — ہاں پھر گیا آبرو پہ پانی"

"تقدیر کا گو فتور ہے کچھ — دل کا بھی مگر قصور ہے کچھ"

"پھیکا پڑا رنگِ عصمت اے وائے! — حرف آگیا اپنے نام پر ہائے"

"رسوائی کے پردہ میں چھپا منھ — دنیا کو دکھاؤں ہائے کیا منھ؟"

"نفرت یہ عیاں ہے ہر کہیں سے — ہے دُور اجل بھی مجھ حزیں سے"

"اُس گل سے گئی وفا کی بو ہائے — پانی ہوئی دل کی آبرو ہائے"

"حسرت کا غبار ہوگا دل میں — ارماں کا مزار ہوگا دل میں"

"جی ہی میں رہا وہ شوق جی کا — اب لطف نہیں ہے زندگی کا"

اُسے عشق! بناے رنج و آفات — خوب اپنے دکھائے ہیں کمالات!

وہ شادیِ وصل تھی کہ تھا رنج — تا ہجر میں اور ہو سوا رنج

اچھا نہ کروں گی مَیں شکایت — آ، وقت پہ تو ہی کر حمایت!

تو سب سے مجھے بے نیاز کر دے — اپنا ہی شہیدِ ناز کر دے!

ہر آکے اجل! دواے ناچار — آغوش سی وا ہے چشمِ بیمار

کتنوں کو چھڑا دیا الم سے — آ، مجھکو بھی دے نجات غم سے

ہے رنج سے کب پناہ کوئی؟ — ہمراز نہیں ہے آہ، کوئی!

پیاری سکھیو! اُنھیں خبر ہے؟ — کیسی ہے شکنتلا؟ کدھر ہے؟

چیلوں نے کہا ہو گا کیا حال؟ — کیا ہوگا الم سے کنو کا حال!

پھیلا مری وجہ سے یہ سب رنج — کس کس کو ہوا مرے سبب رنج

ہیں جان سے یا خدا گزرتی! — بیزار ہوں جی سے کاش مرتی

رو رو کے جو پھر نظر اُٹھائی — دی سامنے مینکا دکھائی

سب بھول چکی تھی محو ہو کر — حیرت زدہ چونک اُٹھی وہ سوکر

گھبرا کے کہا کہ "نام تیرا؟ — کیوں آئی ہے؟ کیا ہے کام تیرا؟

بولی وہ کہ ہاے کیا بتاؤں — مادر تری مینکا پری ہوں"

’’لاعلم نہیں زمانہ سے میں
واقف ہوں ترے فسانہ سے میں‘‘

’’گو تجھ سے مدام میں نہاں تھی
ہر لحظہ تری نگاہ یہاں تھی‘‘

’’بے یار و دیار تجھکو پا کر
فردوس میں لائی ہوں اُٹھا کر‘‘

آگاہ جو ماں کو اُس نے پایا
چُپ ہو کے حیا سے سر جھکایا

کچھ سوچ کے پھر بآہ و زاری
کرنے لگی شُکرِ غمگساری

ماں نے اُسے ہمکنار کر کے
سینہ سے لگایا پیار کر کے

پھر بولی کہ ’’اے نشانِ مادر!
اے دختِ عزیز جانِ مادر!‘‘

’’غم ہے ترے غم کے ہونے پر ہائے
دل روتا ہے تیرے رونے پر ہائے‘‘

’’پُر جبر ہے راہِ عشق میں شرط
ہاں صبر ہے راہ عشق میں شرط‘‘

’’بے سود ہے اس تعب پہ افسوس
ناحق ہے رضائے رب پہ افسوس‘‘

’’ہوتا نہیں یہ جہاں کسی کا
ساتھی نہیں کوئی یاں کسی کا‘‘

’’ہمدم ہیں اگر تو اپنے افعال
ساتھی ہیں اگر تو صرف اعمال‘‘

کیا ہے یہ مرقعِ زمانہ؟
اک رنج و طرب کا کارخانہ!‘‘

راحت ہے یہاں تو صرف یہ ہی
’’غم غم میں ہو خوشی خوشی میں‘‘

رونے میں نہ یوں عبث گنوا وقت
آنے کو ہے پھر کے پھر گیا وقت‘‘

"ہونی تھی جو، ہو چکی وہ بیداد — پڑنی تھی جو، پڑ چکی وہ افتاد"
"کی شہ نے ضرور رنج ادائی — لاریب یہی ہے بے وفائی!"
"کچھ عہدِ وفا کا پاس کرتا — کچھ خوفِ خدا کا پاس کرتا"
"گو یوں ہے عیاں فتور اُسکا — دراصل نہیں قصور اُسکا"
"ناحق ہے گلہ کی یہ حکایت — کر اپنے ہی بخت کی شکایت"
"تو خود کو جو جانتی تھی مجبور — تھا وہ بھی کسی سبب سے معذور"
پھر کہنے لگی بہ خوش بیانی — وہ وقتِ گزشتہ کی کہانی
صحرا میں شکنتلا کا وہ غم — وہ عشق میں بیخودی کا عالم
درباسا کا وہاں گزرتا — اُس غمزدہ کا ادب نہ کرنا
وہ خشمِ فقیر، بددعا وہ — سکھیوں کا گزرنا وہ، التجا وہ
وہ حالتِ منت و سماجت — درویش میں پھر عودِ رحمت
پھر ردِ کلام کی وہ تدبیر — وہ خاتمِ گم شدہ کی تاثیر
یاد رہے یہ سن کے ذکرِ جانکاہ — گھبرائی شکنتلا کہا "آہ"
"سکھیوں نے کہا تھا جو کچھ اُس دم — وہ ہجر و وصال، تذکرِ خاتم"
"شاید مرے غم کا پاس تھا ہائے — مجھ سے نہ کہا یہ ماجرا ہائے"
"کی کچھ نہ حفاظتِ تباہی — بدخواہی ہوئی وہ خیر خواہی"

"اے دل! یہ غلط ہے بدگمانی — بیجا تھا وہ شکوہ زبانی"

"نفرت تھی نہ یوں ہی آشنا کی — تاثیر تھی سب وہ بددعا کی"

"ہو غفلتِ عشق کا برا ہائے — سایہ اسی روزِ بد کا تھا ہائے"

بولی وہیں مینکا "کہ خاموش! — کر یادِ خدا اسے سب فراموش"

"بچھڑے کا ہے وہ ملانے والا — بگڑی کا ہے وہ بنانے والا"

"جاں پرور و دلنواز ہے وہ — ہاں قادر و کارساز ہے وہ"

"نا پاک ہے تو جہاں کے نزدیک — اور پاک ہے غیب داں کے نزدیک"

"آئے ہی گا جوشِ رحمت آخر — مشفق ہے، کریگا شفقت آخر"

"آشفتہ نہ پیچ و تاب سے ہو — بیتاب نہ اضطراب سے ہو"

"واجب ہے تحمل ابتری میں — لازم ہے سکون عاشقی میں"

"پھر ہوگی حصول شادمانی — پھر آئے گا روزِ کامرانی"

"پائیگا کبھی تو شہ انگوٹھی — سچی کبھی ہوگی بات جھوٹی"

"مضطر کو کبھی قرار ہوگا — مہجور کو وصلِ یار ہوگا"

کس فکر میں دل مگر ہے تیرا؟ — یاں ٹھہرا کہ یہ بھی گھر ہے تیرا"

سمجھا کے غرض اسے پری نے — سکھلائے وفا کے سب قرینے

باتوں سے مگر اُوسے نہ تھا صبر / کیا عشق میں پند سے بھلا صبر؟

جوشِ تپِ آہ تھا گراں اور / گھلی جاتی تھی شمع ساں اور

گو ساکنِ خانۂ جناں تھی / تھا جسم وہاں، نہیں یہ جاں تھی

آہیں کرتی تو دم نکلتا / اور ضبط سے جسمِ زار جلتا

بس یاس تھی چہرہ سے برستی / اُمّید کو یعنی تھی ترستی

اسطرح وہاں غرض وہ ناکام / کرنے لگی انقضائے ایّام

تھی حسن سے شاخِ بارور وہ / لائی وہیں حُسن کا ثمر وہ

یعنی اک طفل تھا نمودار / جیسے کہ صدف سے دُرِّ شہوار

تھا حسن میں اک کمالِ خوبی / تھا جسم میں اک مثالِ خوبی

تسکیں جو ہوئی شکنتلا کی / ممنون تھی بخششِ خدا کی

جینے کا نہ تھا جو اُسکو یارا / پیدا ہوا زیست کا سہارا

اک جنتِ خوشی ملی غمیں کو / بہلانے لگی دلِ حزیں کو

شکلِ خنداں نظر جو آتی / کچھ پھول سے غم کو مسکراتی

اُس طفل پہ دل نثار کرتی / لے لے کے بلائیں پیار کرتی

اُس ماہ میں تھی کمال کی طرح / بڑھتا ہی گیا ہلال کی طرح

جنت میں تھے صورتِ تن و جاں
وہ غیرتِ حور و رشکِ غلماں

ساتواں باب

یادِ صنم

رُباعی

ہے عشق میں آہ و رنج و یاس و حرماں | سب جا کے بھی جاتا نہیں اللہ وہاں
ہوتا ہی نشاں سے بے نشاں عاشق سحر | خود جان کو ہے بھلاتی یادِ جاناں

کیفیتِ پیچ و تاب یوں ہے | اب کلک کا اضطراب یوں ہے
تھا ماہی گیر کوئی ناشاد | کم مایہ مگر کثیر اولاد
اک دن دامِ ہوس میں آ کر | ڈالا دریا میں جال جا کر
کی بخت رسا نے یوں رسائی | مچھلی ایک اُسکے ہاتھ آئی

لا کر جو اُسے شکم کیا چاک — غنچہ سا کھلا خوشی سے غمناک

ماہی سے ہوئی تھی آگ ظاہر — پائی اک خاتم جواہر

ممنون تھا رب کی سروری کا — شاکر ہوا بندہ پروری کا

سودا جو ہوا پئے خریدار — لایا اُسے بیچنے وہ بازار

لوگوں نے وہاں جو دیکھی خاتم — راجہ دُشینت کی تھی خاتم

لا کر وہیں کوتوالِ شہ کو — مجرم ٹھہرایا بے گنہ کو

شحنہ پھر اُسے لئے گرفتار — فی الفور گیا حضورِ دربار

انگشتری کی جو شاہ کو پیش — باطل ہوئی بددعائے درویش

آنکھوں سے اُسے وہیں لگایا — معشوقۂ گم کا کھوج پایا

اک آہ نکل گئی دہاں سے — تھی نام کی یاد اُس نشاں سے

دے کر ہیں مال و زر بکثرت — مچھواہے کو شہ نے دی اجازت

دم رُکتا تھا ضبط سے جو ہر بار — اُٹھا برخاست کرکے دربار

اک غیرتِ گُل سے دل میں تھا داغ — بلبل سا گیا وہ جانبِ باغ

بسمل تہِ تیغِ ہجر ہو کر — تڑپا سیماب وار مضطر

تھا شیفتۂ شکنتلا وہ — نالاں فرقت میں یوں ہوا وہ

"تیری نہ خطا تھی، اے وفادار! — بے مہر ہوا میں خود گنہگار!"

"دیگا نہ بنا دیا عجب ہے — جانا نہ یگانہ کو غضب ہے"

"اس آئینہ رو کو دیکھکر حیف — حیرت سے رہا میں بیخبر حیف"

"بھولی رخِ آشنا کو اے واے — بینائی اب آنکھوں سے نکل جائے"

"خونبار پہ رحم کچھ نہ آیا — دِل ہو کے لہو بہے خدایا!"

"بدگو نے جلایا اُسکی جاں کو — چھالے ہوں نصیب اس زباں کو"

"یاد آئی تری عرق فشانی — ہوں شرم سے ہاے پانی پانی"

"معشوق تے ہاے یوں وفا کی — اُلٹی عاشق نے خود دغا کی"

"اب محوِ خیال ہو رہی ہے — جاں تن کو وبال ہو رہی ہے"

"کھٹکا سا پرندِ روح کو ہے — دھڑکا سا دلِ قبوح کو ہے"

"کس دل کی دوا کو ہاے کھویا — کس جنسِ وفا کو ہاے کھویا"

"کس مہر سے دل پہ یوں لیا داغ — کس ماہ کو اُوٹ لگا دیا داغ"

"اس حال سے بے نشاں گئی تو — کیونکر جانوں، کہاں گئی تو؟"

"اُس ہوش رُبا نے سب بھلایا — سوچوں تدبیر کیا؟ خدایا!"

"اُب نکلے گی جان جستجو میں — مرتا ہوں اجل کی آرزو میں"

"اُسے چشم! یہ حالِ زار کیوں ہے؟ — کھو کے گہر اشکبار کیوں ہے؟"

"وہ الی نظرِ جفا شعاری! — کی خوب صنم کی پردہ داری!"

"ہے جوشِ سزا اے قلبِ ناکام — اچھی کی خاطرِ دلآرام"

"کیا کیا اُسے آئی چاہ کی یاد — رو رو کے دلائی بیاہ کی یاد"

"کچھ ہوش مجھے مگر نہ آیا — گمراہ تھا، راہ پر نہ آیا"

"خاتم! تجھے ہائے کیا ہوا تھا؟ — انگشتِ صنم کو تھا جو چھوڑا!"

"جاں تجھ میں مگر بھلا کہاں ہے؟ — اور میرے بدن میں آہ، جاں ہے!"

"تو نے نہ دیا جو ساتھ اُس کا — چھوڑا کیوں میں نے ہاتھ اُسکا؟"

"تصویرِ نگار! کچھ پتا دے! — تدبیرِ قرار کچھ بتا دے!"

"ہاں اصل کا تجھسے اک نشاں ہے! — تو نقل ہے جسکی وہ کہاں ہے؟"

"تو نے اے شمسِ عالم افروز — دیکھا کہیں وہ جمالِ دلسوز؟"

"جیسا مجھے رشک نے جلایا — یوں یہ بھی جلا کرے، خدایا!"

"آپے میں نہیں، شمیم! تو ہے — اُس گل کی مگر اُڑائی بو ہے"

"تو آہ مجھے بنا کے مجنوں — دکھلائے گی سیر کوہ و ہاموں"

"غنچو! یہ چہل پہل نہیں خوب — یہ خندۂ بے محل نہیں خوب"

”مجھ خستہ پہ ہنس کے زار ہوگے“
”تم بھی کبھی دلفگار ہوگے“

”کیوں مرغِ چمن! سخن سرا ہے؟“
”اُس لحن سے کب ترا بھلا ہے؟“

”اے گل! یہ عبث ہے دلربائی“
”ہے تجھ میں کہاں وہ جانفزائی؟“

”بلبل! ایں تجھے بُلا کے روؤں“
”آ تجھکو گلے لگا کے روؤں“

”عاشق کا شریکِ حال تو ہے“
”خود تجھ میں جو عشقِ گل کی بو ہے“

”آ، دونوں بہم الم سنائیں“
”کچھ دیر اسی میں غم بھلائیں“

”یوں اُسکو پھر اُسکے خوار ہوگا“
”کیا چرخ تجھے قرار ہوگا؟“

”دل جسکا سرِ مژہ سے شق ہو“
”یوں خار سے اُسکو اُف قلق ہو“

”جس گل کو خیالِ یار دے رنج“
”حیف اُسکو ہو دھوپ چھاؤں سے رنج“

”ہو حسرتِ دل کی جو کہ جاں ہائے“
”اسطرح پھرے رواں دواں ہائے“

”اپنا یہ نتیجۂ عمل ہے“
”اپنے ہی کیے کا ہائے پھل ہے“

”جوں سخت ہے تیری خو بھی صد حیف“
”سوئی اے مرگ تو بھی صد حیف“

”سب کہتے ہیں تجھکو یارِ عاشق“
”اور ہمدم و غمگسارِ عاشق“

”شاید تو علاجِ دردِ ہم ہے“
”چارہ پئے اشتہائے غم ہے“

”یہ بند ہو گر جدا تو جانوں“
”اس قید سے ہوں رہا تو جانوں“

سودا کسی زُلف کا ہوا ہے
اک سانپ سا دل پہ لوٹتا ہے

"ہے یادِ کمر سے اک ستم ہائے
ہے سامنے منزلِ عدم ہائے"

"بس موت کی یاد کر رہا ہوں
جیتے ہوئے ہائے مر رہا ہوں"

مضطر جو تھا دردِ جانستاں سے
نکلی یہ غزل وہیں زباں سے

غزل

افسوس اثر نہیں دعا میں
اشکوں کے گہر نہیں بکا میں

جینا ہے نہ عشق میں نہ مرنا
ہے صبر فنا میں نے بقا میں

وحشی ہیں اُڑائیں دشت میں خاک
اُس رشکِ غزال کی ہوا میں

پہونچیں کیا اُس مسیح دم تک
دم ہی نہیں آہِ نارسا میں

جلوہ نے کیا جو آکے بیہوش
معشوق کو شک ہوا وفا میں

پھرتی ہی نہیں خیال سے آنکھ
کیا جذب ہے اُسکے نقش پا میں

زلف و شبِ ہجر تیرہ بختی
اک جان ہے اور سے ہر بلا میں

کہتے ہیں جسے اذیّتِ نزع
ہے وہ دلِ درد آشنا میں

پروانہ کو سوز شمع کو اشک
خوش کون ہے تیرا اس سرا میں

آٹھواں باب

جنگ

رُباعی

قرباں تری قدرت کے ہیں ہم اے یزداں
ہر شے میں ہے تاثیر جداگانہ عیاں
رکھا اک مشت گل میں وہ جوہر پاک
کرتے ہیں فرشتے بھی وقار انساں

تحریر جو جنگ کا بیاں ہے
یوں خنجر خامہ خونفشاں ہے
وہ محو فراق غیرت حور
یعنی دُشنیت شاہ مہجور
سوزاں تپ ہجر یار میں تھا
سرگرم رہ نگار میں تھا
کتنا ہی سُراغ گو لگایا
قمری کو نہ سرو ہاتھ آیا
تدبیر سے جب نہ کچھ بنا صبر
تقدیر پہ چھوڑ کر کیا صبر
حسب معمول شاہ اک روز
تھا تخت شہی پہ رونق افروز
غمگین جو تھا وہ صاحب جاہ
اک مژدہ ملا پس اُسکو ناگاہ

آیا اک شخص عزّ و شاں سے ‏ ‏ ‏ سیّارہ کی طرح آسماں سے

خوشبو سا ہوا میں شامل آیا ‏ ‏ ‏ شہ کے وہ غرض مقابل آیا

پوچھا راجہ نے "حال کیا ہے ‏ ‏ ‏ کیوں آیا ہے تو؟ سوال کیا ہے؟"

بولا وہیں ہو کے وہ زمیں بوس ‏ ‏ ‏ "ہوں قاصدِ اندر شاہِ فردوس"

"جنگ ان دنوں دیووں سے غضب ہے ‏ ‏ ‏ بہرِ کمک آپ کی طلب ہے"

"ہے کارِ اشد، شتاب چلیے ‏ ‏ ‏ ہے وقتِ مدد، شتاب چلیے"

پیغام سنا تو آگیا جوش ‏ ‏ ‏ بس دور ہوا غم اور بڑھا جوش

منہ گرمیِ خشم سے تھا خوناب ‏ ‏ ‏ خورشید بنا بدل کے مہتاب

جوشِ جرأت سے تھا لہو گرم ‏ ‏ ‏ لڑنے کو ہوا وہ جنگجو گرم

ارشاد ہوا یہ حکم اک بار ‏ ‏ ‏ "ساماں ہو درست، سب ہوں تیار"

فوراً ہوئی بستہ صف بصف فوج ‏ ‏ ‏ جاں دینے کو آئی سر بکف فوج

راجہ نے سجا کے یوں رسالے ‏ ‏ ‏ منگوائے "بِوان" اڑنے والے

اٹھا جو بگولہ سا ہوا پر ‏ ‏ ‏ دم بھر میں وہ اڑ گیا سما پر

آمد کی غرض خبر جو پائی ‏ ‏ ‏ کی اندر نے آکے پیشوائی

بھائی کی طرح گلے لگایا ‏ ‏ ‏ فردوس میں اس ملک کو لایا

پوچھا شہ کے مزاج کا حال ۔ پوچھا پھر اُس کے راج کا حال

باہر سے محل میں دونوں آئے ۔ نکلے پئے جنگ، جاں لڑائے

ناقوس بجانے کا دیا حکم ۔ تیّاریِ فوج کا کیا حکم

راجہ پہ نثار بسکہ تھی فوج ۔ آواز پہ جمع ہو گئی فوج

جنباں تھا جو خیل ابر سا تھا ۔ چابک تھا جو اسپ بادپا تھا

ہر سر میں خمارِ گرمجوشی ۔ سودائے خیالِ جانفروشی

یوں سج کے چلی سپاہِ جرّار ۔ آگے تھے وہ دونوں شاہِ جرّار

آندھی کی طرح فرشتے آئے ۔ اور دیو بسانِ ابر چھائے

تھے بادۂ جوش سے یہ سرشار ۔ بدمستِ شراب وہ سیہ کار

اس سمت جو گنگ موجزن تھا ۔ طغیانی پہ اُس طرف جمن تھا

برپا تھا عجب زور میں غُل ۔ جسطرح ہو بحرِ شور میں غل

دی اُنکو جب افسروں نے آواز ۔ فوجوں نے بجائے جنگ کے ساز

تو رزم ہوئی وہیں بپا ایک ۔ جاں لینے کو ایک پہ جھپٹا ایک

بہنے لگا خوں ستمگروں کا ۔ بڑھنے لگا جی دلاوروں کا

انداز کماں وہ فتنہ زا تھا ۔ جو تیر تھا ناوکِ قضا تھا

تھے مرغ صفت خدنگِ پرّاں ‏— اک لہجۂ خاص میں رجز خواں

شوخی تھی جو بھال جانستاں تھی ‏— تیرِ نظرِ صنم ستاں تھی

تھی گرد میں رقصِ تیغ کی دید ‏— جوں بحر میں لمعہ ہائے خورشید

تھی باڑھ میں آب کی روانی ‏— تھا دھار میں کس بلا کا پانی

ابروے نگار کی سی جنبش ‏— شاخِ پُر بار کی سی جنبش

گویا تھی ہلالِ عید قرباں ‏— ہر فرق تھا جس کے زیرِ فرماں

بجلی سی چمک رہی تھی رن میں ‏— شعلہ سا بھڑک رہی تھی بن میں

یوں رنگ لہو کا ہر کہیں تھا ‏— گلزارِ شفق سرِ زمیں تھا

دیوانِ سیہ تھے بسکہ پُرفن ‏— لڑتے تھے بچا کے حیلہ سے تن

چمکائے کسی نے سحر کے رنگ ‏— دکھلائی کسی نے شانِ نیرنگ

گہ آب گہے شرر فشاں تھے ‏— پوشیدہ کبھی، کبھی عیاں تھے

کب خوف ملک کو تھا فسوں سے ‏— جادو کو بہا یا سیلِ خوں سے

ہوتے تھے غضب فرشتوں کے وار ‏— غلطاں تھے لہو میں دیوِ خونخوار

تھی تنگ جو روح جسمِ بد سے ‏— نکلی جاتی تھی ہر جسد سے

وشنیت بھی رن میں برمحل تھا ‏— دشمن کو فرشتۂ اجل تھا

جیتا وہ شریکِ جنگ ہو کر
دریا میں رہا نہنگ ہو کر

تھا اِنپہ جو فضلِ کبریائی
دیوؤں نے شکستِ فاش کھائی

تھی اِن کے گلے کا ہار نصرت
اور اُونکی تھی ہار سے بُری گت

جیتا وہیں زندہ دل تو لوٹا
یعنی اندر اپنے گھر کو لوٹا

کی شاہِ زمن کی میہمانی
برتے آدابِ میزبانی

مرہون بنا عنایتوں کا
ممنون ہُوا حمایتوں کا

سجنے لگی روز بزمِ راحت
خُوب اُس سے رہا وہ گرمِ صحبت

ہر سر میں سکون دِلنشیں تھا
ہر دل میں فراغ جاگزیں تھا

ہر اک نے خوشی سے گھر سجایا
ہر اک نے خوشی کا راگ گایا

دلکش تھا ہر ایک کارخانہ
وہ شہر تھا یا نگارخانہ

نواں باب

وصال

رباعی

توام ہے جہاں میں راحت و غم کی مثال | ہے خندۂ برق و ابرِ گریاں کا حال
گو لازمِ عشق سحرِ فرقت ہے ضرور | ہے بعدِ شبِ فراق پھر روزِ وصال

شادی سے جو دور ہو گیا رنج | یوں بلبلِ خامہ ہے نوا سنج
وہ زینتِ ملک و تخت و دیہیم | یعنی دشنیت شاہِ اقلیم
فردوس میں جلوہ زا تھا اب تک | مہماں شہِ اندر کا تھا اب تک
کچھ وقت غرض وہاں گزارا | جانا اسے پھر ہوا گوارا
مانگی شہِ اندر سے اجازت | مل مل کے ہوا خوشی سے رخصت
اس جا پہ ملائکِ نکو بخت | تیار تھے اندر کا لیے تخت
دشنیت کو مثلِ گل چڑھایا | نکہت سا ہواؤں پر اُڑایا
یوں جا کے وہ پھر بصد تمنا | استھان پہ دیوتوں کے پہونچا
تھا دل میں جو شوقِ پاک یکسر | درشن کے لیے چلا اُتر کر
خواہش تھی حصولِ خیر کی بھی | اور سر میں ہوا تھی سیر کی بھی

تنویر کی اک زمیں تھا وہ شہر ۔ تھا نور کا بحر، نور کی لہر
نخل و گل و سبزہ زار دیکھا ۔ خنداں رُخِ نو بہار دیکھا
گویا تھا جو طائرِ چمن تھا ۔ قدرت کی ثنا میں نغمہ زن تھا
نزہت سے بھرا تھا صحن سارا ۔ اک طُرفہ صفا کا تھا نظارا
اُس ساحتِ صاف میں کسی جا ۔ مجمع ارواحِ پاک کا تھا
جو دھیان میں محو ہمہ تن تھے ۔ یوں دل کی لگن میں مگن تھے
اِک لطفِ جہاں اُٹھا رہے تھے ۔ باہم خوشیاں منا رہے تھے
حوروں کا کہیں پہ جگھٹا تھا ۔ پریاں تھیں کہیں پہ بزم آرا
چبھتی تھی جگر میں طرزِ گفتار ۔ ہر لب پہ تھا خندۂ شکر بار
اِس طرح وہ ناظرِ تماشا ۔ تھا محوِ نظارۂ تماشا
ناگہ عوضِ شکیب پایا ۔ نظّارۂ دلفریب پایا
اک طفل تھا زدِ راہ واں پہ ۔ جلوہ تھا قمر کا کہکشاں پہ
ماہِ کاملِ جمالِ انور ۔ دلخواہ و دلفریب و دلبر
اک نورِ کمال تھا نمودار ۔ شاہانہ جلال تھا نمودار
صورت تھی وہ عکسِ حسنِ دلخواہ ۔ حیرت زدہ دیکھ کر ہوا شاہ

بازی میں وہ طفلِ شیر دل تھا — اک بچۂ شیر متصل تھا
دایہ نے کہا وہ نہ کھیل اُس سے — رہ دور ہی کر نہ میل اُس سے
میں لاتی ہوں جا کے شیر گل اور — یہ کہہ کے چلی وہ گھر کو فی الفور
تھا طفل نڈر تو پھر برابر — تھا کھیل رہا اُسی جگہ پر
ساکت تھا جو شاہ ہوش کھو کر — بُت بن گیا محوِ دید ہو کر
تعویذ گلے میں طفل کے تھا — جو بد نظری کا تھا مداوا
چھوئے جو بجز پدر کوئی اور — ڈس لے وہیں سانپ بنکے فی الفور
ناگاہ شکستہ ہو کے یکسر — آیا تعویذ وہ زمیں پر
راجہ نے اُٹھا کے پھر پہنایا — جو سامنے آن پہونچی دایہ
تعویذ جو چھو کے تھا وہ محفوظ — حیراں ہوئی وہ، دل اُسکا محظوظ
لی دایہ نے جلد راہ گھر کی — اُس طفل کی ماں کو یہ خبر کی
ہجرت میں ملا تو پھر وصلت — جیتا رہے پائی ہوے صحت
سمجھی کہ وصالِ یار ہوگا — دور اب غمِ انتظار ہوگا
تقدیر جو پھر ادا بھلائی — تو جا وہ وصل پر وہ آئی
یعنی یہ چلی اِدھر سے پُرشوق — دیکھا اُدھر اُسکو شہ نے باذوق

رک رک کے قدم بڑھاتے دیکھا — شرم اور ادا سے آتے دیکھا

چہرہ رخِ یار کا سا پایا — ہر نقش، نگار کا سا پایا

جانا، دلدارِ دلربا کو — پہچان لیا شکنتلا کو

آنکھوں میں لیا نظر کی صورت — پہلو میں لیا جگر کی صورت

عارض کی نگہ سے لیں بلائیں — گیسو کی مژہ سے لیں بلائیں

قرباں کیے شاہوار گوہر — آنکھوں نے کیے نثار گوہر

آہوں سے بخارِ دل نکالا — اشکوں سے غبارِ دل نکالا

شکوے ہوئے دلربائیوں کے — طعنے ہوئے بیوفائیوں کے

واں شرم تھی مقتضائے فطرت — یاں اپنے کیے پہ تھی ندامت

واں شانِ حیا تھی سر کے خم سے — یاں شاہ تھا سرنگوں الم سے

مجرم نے گنہ کی کی تلافی — چاہی تقصیر کی معافی

بولا وہ کہ "اے پری وفا کی! — میں پا بھی چکا سزا جفا کی!

"کیا کیا سہی تیرے غم میں آفت — (۱) تکلیفِ فراق و دردِ ہجرت

"وہ تھی کھوج پہ کار شکِ یاد تیری — (۲) جھنکواتی کنوئیں تھی یاد تیری

"وحشت نے دکھائے باغ پر باغ — کھائے ہیں گلوں سے داغ پر داغ

رحم اب مرے حال پر ذرا کر! — الطاف و نوازش و وفا کر!"

کہنے لگی وہ نگارِ عصمت — "اے مالک و پردہ دارِ عصمت!

ناحق ہے یہ تیری بدگمانی — وابستہ ہے تجھ سے زندگانی

تیری وہی ہائے باوفا ہوں — یعنی میں وہی شکستہ پا ہوں"

"کیا اک تو ہی مبتلائے غم تھا؟ — مجھکو بھی تو صدمۂ الم تھا!

"ہر گل تھا مجھے شرارِ دوزخ — روشن تھی جناں میں نارِ دوزخ

"ہر سانس ستا رہی تھی دل کو — ہر آہ جلا رہی تھی دل کو"

"غم تھا تری بیوفائی کا ہائے — رونا تھا تری جدائی کا ہائے"

بیجاں تھی یہی تھا جان کا احساس — دشوار یونہی بھی پہ یہ تھی یاس"

"پر اس میں ترا قصور کیا ہے؟ — خود دل ہی مرا جو پُرخطا ہے"

شکوہ کا نہیں یہ وقت لیکن — ہے شکر پھر آئے وصل کے دن"

یہ کہکے بہم وہ مل کے روئے — یوں داغِ فراق دل سے دھوئے

کیا جلوہ برائے آسماں تھا — باہم مہ و مہر کا قراں تھا

شہ کے لئے طفل زیب بر تھا — آغوشِ پدر میں وہ پسر تھا

واپس ہوئے بارے مل کے مجبور — وہ رشکِ ملک، وہ غیرتِ حور

کشیپ نامی رشی کا گھر تھا — گھر تھا اب یہی شکنتلا کا

شہ نے بھی کیا جو اسکو آباد — یہ دیکھ کے وہ رشی ہوا شاد

ٹھہرا کے اسے بصد عنایات — دکھلائے مراسمِ مدارات

پھر قاصدِ تیز گام بھیجا — اور رکنو کو یہ پیام بھیجا

"کیا بات ہے رحمتِ خدا کی — وہ بات رہی نہ بد دعا کی"

"یوں دور دکھ آپ ہو گیا ہے — بچھڑوں کا ملاپ ہو گیا ہے"

راجہ نے رشی ہی کی زبانی — خاتم کا سنا سرِ نہانی

کچھ دن دشینت رہ کے ناچار — جانے پہ ہوا وطن کے تیار

کشیپ نے وہیں بہ لطف و شفقت — راجہ، رانی کو دی اجازت

اسطرح وہاں سے جب چلے وہ — شاداں سوئے مینکا گئے وہ

تجویزِ سفر اسے سنائی — جانے کی خبر اسے سنائی

آیا جو غمِ فراقِ دختر — لپٹا کے گلے سے روئی مادر

الفت کے دکھا کے یوں قرینے — سونپا اسے شاہ کو پری نے

پہلے کی سنا کے پھر کہانی — آئندہ کو چاہی مہربانی

کہہ حسن کے کیا بصد محبت — دشینت و شکنتلا کو رخصت

القصہ وہ رہروانِ مسرور | فردوس سے آئے ہستناپور
بچھڑے ملکر وطن میں آئے | پھر بلبل و گل چمن میں آئے
دیکھا جو شہِ مسیح دم واں | لوگوں کے پھر آئی جان میں جاں
اِسطرح غرض وہ نیک معصوم | آیا تو محل میں مچ گئی دھوم
کہکر وہیں عشق کی کہانی | راجہ نے دکھائی اپنی رانی
شہزادہ کو پیار سے اُٹھایا | ہر خاص کو، عام کو، دکھایا
شادی کی محل میں تھی اقامت | تھا شور مبارک و سلامت
ہر سمت ہوا خوشی کا اظہار | شاداں تھی رعیّتِ وفادار
کی نذرِ خلوص اک نے آکر | دی جنسِ وفا کسی نے جاکر
ہر شخص نہال نخل ساں تھا | وہ شاہ بہارِ بےخزاں تھا
بارے جو ہوئی مُراد حاصل | الماس رہا گھر سے واصل
کٹتے تھے ہنسی خوشی سے اوقات | دن عید تو شب برات تھی رات
موقع جو شکنتلا نے پایا | دونوں سکھیوں کو پھر بلایا
مل مل کے گلے با آہ و زاری | اپنی کہی سرگذشت ساری
اُن سے بھی سُنے دعا کے حالات | وہ خاتمِ شاہ کی کرامات

سب رہنے لگے خوشی سے باہم	سامانِ طرب جو تھے فراہم

تھا شاہ بھرت وہ طفلِ خوشکام
مشہور ہے جسکا آجتک نام

تمت

قطعہٴ تاریخ

آخر ہوئی داستانِ خوبی	ہے شکرِ خدائے پاک اے سحرؔ
کیا خوب ہے ارمغانِ خوبی	بولا دلِ خوش برائے تاریخ

۱۹۱۰ء

تمام شُد

(اقبال ورما سحرؔ ہتگامی)

فہرست زبورِ مشرق

عنوان	نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ
زبورِ مشرق	۲۲۶	آوازِ شہرِ خموشاں	۲۴۲	تثلیث	۲۵۹
حمد	۲۲۷	غزل	۲۴۳	جذبات	۲۶۰
نعت	״	روزِ عاشورہ	۲۴۵	پندِ سودمند	۲۶۳
نجفِ اشرف	۲۲۸	اسیرانِ چمن	۲۴۶	دشمنانِ حسینؑ	۲۶۴
امام حسینؑ	״	عجز ناپسندیدہ	۲۴۸	توبہ اور مغفرت	۲۶۵
امام آخر الزمان	۲۲۹	فخر پسندیدہ	״	انقلاب	۲۶۶
جذبات	״	غزل	״	شعرا کی خامیاں	۲۶۷
شادی خانہ آبادی	۲۳۰	بہادر سولن	۲۴۹	واقعۂ کربلا معلی	۲۶۸
غزل	״	امام حسینؑ اور تبریز	۲۵۱	غزل	۲۷۱
غزل	۲۳۱	حضرت یوسفؑ	۲۵۳	غزل	۲۷۳
حضرت سلمان فارسی	۲۳۲	رام اور سیتا	״	غزل	۲۷۴
پیر اور فقیر	۲۳۴	حارث	۲۵۴	فردوسِ بریں	۲۷۵
ندائے غیب	۲۳۵	تحفۂ درویش	۲۵۵	شہزادہ علی اکبر	۲۷۷
گوشہ نشین	۲۳۷	شعر و سخن کا شجر	۲۵۶	غزل	۲۷۸
شامتِ اعمال	۲۳۹	شاعر اور حاسد	۲۵۷	یادگار	۲۸۰
ہمدرد	۲۴۰	ازۃ تف	۲۵۸		
ایک تمنا	۲۴۲	طالب حسینؑ	״	گوشہ نشین	

حصہ سوئم

یعنی

زبورِ شرق

کارواں بیدار ہو کر جانبِ منزل چلا
ہوگیا ہے ورائے دل سے اک محشر بپا

کر رہا ہو خضرِ دل جس کارواں کی راہبری
منزلِ مقصود سے پہلے نہ دم لے گا کبھی

بادۂ ہمت سے اپنا جامِ دل لبریز ہے
اس دلِ مستانہ کی مستی قیامت خیز ہے

لالہ و نسرین و سنبل ہیں چمن میں بے شمار
گلبنِ گلزارِ ہمت کی نرالی ہے بہار

اُس گلستاں میں خزاں کا ہو گذر ممکن نہیں
چشمۂ حیواں سے ہو سیراب جس کی سرزمیں

وقفِ مدحِ پنجتن کردی ہے عمرِ مستعار
حشر میں تا ہو نزولِ رحمتِ پروردگار
راستی سے کام ہے، پاسِ سخن شیوہ نہیں
ہے چراغِ محفلِ اہلِ ہنر گوشہ نشیں

حمد

رُوح و مادہ کا وہی خلاق ہے ربِّ قدیر
ورنہ ہو سکتا نہیں وُہ بے عدیل و بے نظیر
رُوح و مادہ بھی قدیم اس کی طرح ہوتے اگر
کیسے آسکتے تھے اُس کے زیرِ فرمانِ قدیر
عُقدہ جب انسانِ ناداں سے کوئی کھلتا نہیں
باتیں بچوں کی سی کرنے لگتا ہے وہ بالیقیں

نعت

کفش سے معراج کی شب گرد کا ذرّہ گرا
آنکھ میں خورشید کی کحل الجواہر بن گیا
چشمِ ظاہر میں اگرچہ بوالبشر مسجود تھا
اصل میں نورِ حبیبِ کبریا مقصود تھا
مہرِ دینِ مصطفٰے نے جب کیا اپنا ظہور
ظلمتِ ادیانِ باطل ہو گئی دنیا سے دُور

نجف اشرف

اے نجف کی خاکِ پاک اے روضۂ شاہِ جہاں
اے زیارت گاہِ عالم قبلۂ کرّوبیاں
ذرّہ ذرّہ ہے ترا ہر لحظ خورشید آفریں
عرشِ اعظم سے کہیں ارفع ہے تیری سرزمیں
خارج از وہم و گماں ہے اُس زمیں کا مرتبہ
جس کے ہوں جاروب کش سب انبیا اور اوصیا
دیکھنا ہے سر بہ سجدہ سب کو یاں گوشہ نشیں
کیوں نہ ہو کیا روضۂ سلطانِ الوجاں نہیں

امام حسین علیہ السلام

ہو حسین ابنِ علی کیونکر نہ فخر اولیا
حقِ تسلیم و رضا جس نے کیا پورا ادا
کیوں اُٹھاتے اس قدر بارِ مصیبت بے خطا
گر نہ تھا ابطالِ باطل آپ کے پیشِ نظر
ضربِ خنجر سے جو کہتا مرحبا صد مرحبا
کون ہوتا جز جگر بندِ شہ ہر دو سرا

اِس شہادت پر کرے گر غور تو۔ گوشہ نشیں
کیوں نہ حاصل ہو تجھے توحید کا کامل یقیں

امام آخر الزمان علیہ السّلام

ہے وہی مہدئ ہادی سرورِ نصرت نشاں
نام سے جس کے ہے قائم مجلسِ کون و مکاں
گر نہ ہو موجود عالم میں امامِ منتظر
سب جہاں معدوم ہو جائے یقیناً سربسر
گو زیارت کا مجھے حاصل ہوا ہے افتخار
لیکن اس عزّ و شرف کی ہے تمنا بار بار

جذبات

راسخ الدین برہمن سے ہم نہیں رکھتے عناد
دشمنِ دین ہے مسلمانِ ضعیف الاعتقاد
ہو چکا جب دفن مر کر کشتۂ پیکانِ ناز
آ گیا وہ شوخ بھی پڑھنے جنازہ کی نماز
کون کہتا ہے کہ یہ آنسو ہیں رقت کا نشان
زیرِ دامِ حسن یہ دانے بچھے ہیں بیگماں

شادی خانہ آبادی

اہلِ مجلس سے کہا شاہِ دو عالم نے کلام
ہے مجھے مطلوب عقدِ فاطمہ کا اہتمام

التماسِ خطبہ سے آخر اٹھایا سب نے ہاتھ
بارگاہِ کبریا سے آگیا جب یہ پیام

نور سے ہو اتصالِ نور زیبا ہے یہی
عقدِ زہرا کا شہِ مرداں سے ہو خیر الانام

چند اصحاب بھی تھے شریکِ بزمِ عقد
جمگھٹا تھا اہلِ شرکت کا نہ تھا کچھ ازدحام

مختصر تھی دعوت اور تھا وقتِ دعوت مختصر
سیدھی سادھی اور آساں تھیں وہاں رسمیں تمام

ہم سمجھتے ہیں اسے گستاخ اے گوشہ نشیں
پیروی جس کو نبی کی ہو نہ تقلیدِ امام

غزل

سن گوشِ خرد سے کہ مری بات کھری ہے
ہاں دیکھ میسر جو تجھے دیدہ وری ہے

جب اُٹھ رہے ہوں آتشِ جاں سوز کے شعلے
جو کوو پڑے اس کے بجھانے کو جری ہے
تو جس کو سمجھتا ہے بُتِ حور شمائل تو
در پردہ وہ اک دیو ہے ظاہر میں پری ہے
وہ بیخ بھی ہو جائیگی عصیاں سے ترے خشک
بارانِ کرم کی جو وساطت سے ہری ہے
اقوامِ جہاں صاحبِ دیہیم و حشم ہیں
قسمت میں مگر یاروں کی دریوزہ گری ہے
بھیڑوں کی طرح شیر کبھی رام نہ ہوتا
پاؤں میں مگر بھوک کی زنجیر پڑی ہے
کام آنا وطن والوں کے پردیس میں رہ کر
یہ حُبِّ وطن ملکِ سلیماں سے بڑی ہے
جو گوشہ نشیں صورتِ عنقا ہو جہاں میں
کب اس کو بھلا شکوۂ بے بال و پری ہے

غزل

مِٹ گئے وہ جو تجھے آئے مٹانے مسلم
دب گئے وہ جو تجھے آئے دبانے مسلم
خاک کر ڈالے گی خرمن کو ترے برقِ تپاں
گرچہ اب بھی رہے دانوں سے جُدا نے مسلم

کس قدر تیرا عدو رکھتا ہے اُلفت تجھ سے
بیٹھا ہے تیرے جنازے کو اُٹھانے مسلم

ہوگیا تیرا چمن غیرتِ صحرائے عرب
باغ سب پھونک دیا گرم ہوا نے مسلم

تھا سدا تاک میں مرغانِ چمن کی صیّاد
لگ گئی آج ہوس اس کی ٹھکانے مسلم

اب تو بزم مے و مینا ہے کفارہ کر لے
سرزنش کی ہے بہت تجھ کو حیا نے مُسلم

ٹھوکروں سے نہ زمانے کی جو بیدار ہوا
پھر قضا ہی تجھے آئے گی جگانے مسلم

نیمچہ زیرِ بغل رکھتا ہے جوں سیواجی
مضمحل تجھ کو کیا جس کی ادا نے مسلم

جاگتا خوابِ عدم سے نہ کبھی گوشہ نشیں
واں پہ رواغ کو آیا ہے دکھانے مسلم

حضرت سلمان فارسی

سلمان فارسی آنحضرتؐ کے صحابی تھے۔ آپ پر اچانک ایک شیر حملہ آور ہوا۔ اس عالمِ تنہائی میں حضرت علیؓ نے آپکی دستگیری فرمائی اور شیر کو قتل کر دیا۔

المدد۔ اے حامئ دینِ ہدیٰ۔ مشکلکشا
المدد۔ اے نیرِ برجِ صفا۔ مشکلکشا

بچ نکلنا شیر کے پنجہ سے ہے امرِ محال
پر سہارا ہے ترے الطاف کا مشکلکشا

کیجئے مشکلکشائی۔ مبتلائے درد ہوں
کاٹنے کو ہے مگر تیغ قضا۔ مشکلکشا

دشت میں تنہا ہوں مَیں۔ حامی نہیں یاور نہیں
رہبری کیجے مری بہر خدا۔ مشکلکشا

حشر برپا کر رکھا ہے ظلم نے اِس شیر نے
خاک پر اہل کا سرِ نخوت جھکا۔ مشکلکشا

دیکھ لیں سب اہلِ عالم تیری قوت کا سماں
بندۂ ناچیز کی ہے التجا۔ مشکلکشا

مشکلات دہرِ ناہنجار کا ہے آن میں
کون ہے تیرے سوا عقدہ کشا۔ مشکلکشا

مومنِ صادق ہوں اور راسخ ہے میرا اعتقاد
اہلِ ایماں کا ہے تو ہی آسرا مشکلکشا

میں ہوں اک صید زبوں اور شیر ہے از بس قوی
اس کے حملہ سے مجھے للہ بچا مشکلکشا

آنکھیں اس کی شعلہ افشاں اور غضب آلود ہیں
اس کی سطوت اور ہیبت سے بچا مشکلکشا

اے پناہِ بے پناہاں دستگیر بیکساں
ہوں ترے در کا میں اک ادنےٰ گدا مشکلکشا

آپ کی ذرہ نوازی اور کرم کی داستاں
نظم میں لکھنے کو ہے اک بینوا مشکل کشا

پیر اور فقیر

پوچھتا ہے آپ سے اک مسئلہ یہ بینوا
دیجئے اُس کا جواب اے صاحبِ صدق و صفا
جس دیار اور شہر میں ہوتا ہے انساں کا مقر
مدعی آتے ہیں واں کشف و کرامت کے نظر
خانقاہوں مسجدوں تکیوں پہاڑوں میں تمام
وہ بنے بیٹھے ہیں خلق اللہ کے گویا امام
اہلِ ظاہر اُن پہ کرتے ہیں دل و جاں تک فدا
حکمِ قرآن و خبر سے حکم ہے اُن کا سوا
خارج از اندازہ عقل اُن کی کرامت کا بیاں
مثلِ طوطی ہے سبھی مخلوق کے وردِ زباں
دُور سے اُن کا نظر آتا ہے سیمائے نیاز
صبحِ صادق کی طرح ہے ضَو فشاں ریشِ دراز
شکل و صورت اور لباسِ ظاہری سے بالیقیں
وہ نظر آتے ہیں کامل عارفِ خلوت گزیں
کیا یہی ہیں سالکِ راہِ خدا فرمایئے
کیا یہی ہیں انس و جاں کے پیشوا فرمایئے

سر اُٹھایا زانوئے فکر و تامل سے وہیں
اور ہوا یوں گوہر افشاں بنوائے دُور بیں
بندہ درگاہِ احمد ہے ہر اک شاہ و گدا
اور ہر چھوٹے بڑے کو ہے اسی کا آسرا
ہے توسل سے اُسی کے درجۂ قرب وصال
ہے رہین منت اُس کا ہی ہمارا بال بال
جس شریعت سے کیا اُس نے جہاں کو باخبر
آپ بھی اُس پر عمل پیرا رہا وہ عمر بھر
تھا نشاط انگیز اُس کا بادۂ لطف عمیم
زیورِ حسنِ ازل تھا غازۂ خُلقِ عظیم
آشکارا اور نہاں تھا بہرِ اُمت غمگسار
ظاہر و باطن تھا اُس کا رحمتِ پروردگار
ناشرِ علمِ حقیقت اور امانت دارِ حق
بحرِ عرفاں کا شناور منبعِ اسرارِ حق
عزم اور صبر و تحمل غیرت اور حبِ وطن
مرتبط تھے ذات سے اُس کی بشکلِ جان و تن
تھا وہ گلزارِ دیانت میں گلِ صدق و صفا
تھا وہ عینِ علم عینِ عدل عینِ التفا
روزیٔ طیب سے نا ستہ رمق لیتا تھا وہ
سائلوں کو گوہر دریا قوت دے دیتا تھا وہ

عفو و احساں میں رہا ممتاز وہ رحمت مآب
خویش و بیگانہ سب اُس کے لطف سے تھے بہرہ یاب
جاں نثارِ حیدر و شبیر و شبر تھا سدا
اور اُن کے دشمنوں کو وہ نہ اچھا جانتا
ہو بسر مثلِ پیمبر زندگی جس کی تمام
ہے وہی مردِ خدا اور نائبِ خیر الانام
ہو چکا بس اب ہمیں اس بات کا پورا یقیں
راست گفتاری میں ہے ضرب المثل گوشہ نشیں

ندائے غیب

ایماں کا مرقع ہے عمل کی ہے یہ تصویر
پیغام ذرا گویا ہے قرآن کی تفسیر
کہدے یہ عقوس کو کوئی میری طرف سے
ہے کیمیا یہ اور یہی نسخۂ اکسیر
اس پھول سے ہے باغِ جہاں طبلۂ عطار
نافہ سے بھی بڑھکر ہے اثر اس کا جہاں گیر
ہر ایک ورق اس کا ہے گنجینۂ عرفاں
ہر بات ہے اسرارِ پس پردہ کی تعبیر
ہر شعر ہے جوں عقدِ ثریا متسلسل
ہر بیت ہے صد وادئ کشمیر کی تصویر

ہر لفظ میں آباد ہے اِک عالمِ معنے
ہر حرف میں اسرار و حقائق کی ہے تنویر

گوشہ نشین

اِک صاحبِ عرفاں سے کہا میں نے کہ اے پیر
یہ گوشہ نشیں کون ہے کچھ کیجئے تقریر
فرمایا کہ ہاں رکھتا ہوں میں اس سے تعارف
بے لوث یہاں کھینچتا ہوں اس کی میں تصویر
سیّاح ہے۔ بجاری ہے۔ گلِ شاخِ نقی ہے
آزاد ہے۔ خوش باش ہے خود دار ہے جوں میر
قرآں کے معانی کو سمجھتا ہے بخوبی
تدبیر کا شیدا ہے۔ نہیں منکرِ تقدیر
ہے صاحبِ دل گوشہ نشیں اور ہنرور
سچ یہ ہے کہ ایمان و عمل کی ہے وہ تصویر
گو لطفِ خدا کا ہے وہ ہر لحظہ طلب گار
ہرگونہ مساعی میں نہیں کرتا ہے تقصیر
تا ہدفِ تلامیذ میں مصروف ہے دن بھر
ہے رات کو غمخوار فقط نالہ شبگیر
قدرت ہو مخالف تو وہ ہٹ جاتا ہے پیچھے
اس صورتِ حالت میں یہی اس کی ہے تدبیر

ہے پرسشِ اعمال کے اندیشہ سے لرزاں
چہرے پہ ہیں آثارِ الم۔ رنگ ہے تغییر
ہے بلبلِ قدرت کے ترنم کا فدائی
آوازِ زغن ہے اُسے بربط کا بم و زیر
بے حیلہ و حجت ہے گرفتارِ عقائد
ہرگز وہ نہیں منزلِ وسواس کا راہ گیر
منظور کریں خدمتِ دیں پنجتن پاک
اس شوق میں بے تاب ہے بےچین ہے دلگیر
وہ عشق حیا سوز کا ہے دشمنِ جانی
ہے عشقِ حقیقی کا وہ گرویدۂ تاثیر
ہے اس کا سخن بزمِ جہاں کے لئے زینت
افشاں پئے تانیث ہے طرّہ پئے تذکیر
سرگرمِ دغا رہتا ہے وہ تیغِ قلم سے
اعدائے نبیؐ کا ہے گلو اُس کی ہے شمشیر
پڑھ اُس کے ذرا رشک گہر پنج صحائف[1]
گر دیکھنا منظور ہو معمار کی تعمیر
ہے برق صفت اُس کا ہر اک شعر اثر میں
دلسوز کہیں بانگِ درا سے بھی ہے تقریر
بے مکر و ریا اُس کے بسر ہوتے ہیں ایام
جوں مکڑی نہیں گوشہ کے خانہ میں مگس گیر

[1] گوشہ نشین کی پانچ تصانیف مثلاً کلیدِ عملیات۔ و کلیدِ مناظرہ وغیرہ

وہ کرتا ہے ہر روز ہزار اس پہ تبرا
منظور جسے آلِ محمد کی ہو تحقیر
یوں چاہنے والا ہوں میں اس مردِ خدا کا
شبر کے دل آرام تھے جوں حضرتِ شبیر

شامتِ اعمال

صرف کرتا ہے جو تو اولاد پر مالِ حرام
کیوں رہے علم و عمل سے وہ نہ بے نیلِ مرام
یہ حقیقت صورتِ مہرِ منور ہے عیاں
فاسقوں کے گھر ملوث فسق سے ہیں بیگماں
کام ہے جن ظالموں کا قتلِ انساں صبح و شام
بے زن و فرزند ہو جاتے ہیں آخر لاکلام
جل گیا گر صاحبِ دولت کا گھر تو کیا ہوا
کیا جلایا تھا نہ اُس نے دِل کسی رنجور کا
ہو گیا کافور جس کی آنکھ سے شرم و حیا
مل گئی اُس کو خدا سے خیرہ چشمی کی سزا
زاہدانِ پاک دل اور عابدانِ باصفا
جھیلتے ہیں سہل انگاری و غفلت کی سزا
فسق و بے باکی ہیں جو کھو دیتا ہے عہدِ شباب
ہوتی ہے پیری میں اُس پر سنگ بارانِ عتاب

ہمدرد

مطلب کا جو تو یار ہے ہمدرد نہیں ہے
مکّار ہے۔ عیّار ہے۔ ہمدرد نہیں ہے

ہے سنگ دلی میں تو اگر نازشِ چنگیز
انساں کے لئے عار ہے ہمدرد نہیں ہے

گر موجبِ آزار ہے تو باغِ جہاں میں
گلزار میں اک خار ہے ہمدرد نہیں ہے

گر تیرے قدم اُٹھتے نہیں بہرِ عبادت
ہمدردی سے بیزار ہے ہمدرد نہیں ہے

دِل تیرا اگر حُبِّ وطن سے ہؤا عاری
تو صورتِ مُردار ہے ہمدرد نہیں ہے

پروردہ نعمت ہے اگر اور تن آساں
تو ہیچ ہے۔ بیکار ہے۔ ہمدرد نہیں ہے

ہے تیری خیانت ہیں اگر گرمیٔ بازار
رسوا سرِ بازار ہے ہمدرد نہیں ہے

بدگو ہے اگر اہلِ صفا کا تو پس پشت
آئینہ کو زنگار ہے۔ ہمدرد نہیں ہے۔

گر خوان پہ غیروں کے تری آنکھ لگی ہے
تو وحشیٔ پُرخوار ہے۔ ہمدرد نہیں ہے

مسلک ہے جہاں میں ترا گر خدعت و تزویر
تو دشمنِ ایثار ہے ہمدرد نہیں ہے
کرتا ہے اگر ناز و ادا وقت پڑے پر
عورت ہے، دِل آزار ہے ہمدرد نہیں ہے
کاشانۂ ملت کی جو کج رکھتا ہے بنیاد
بے تجربہ معمار ہے ہمدرد نہیں ہے
دِن کہتا ہے جو رات کو سلطان کی خاطر
وہ بندۂ دربار ہے ہمدرد نہیں ہے
راعی کو رعایا سے جو کر دیتا ہے بدظن
وہ موجبِ آزار ہے ہمدرد نہیں ہے
جو شاہ رعیت سے نہیں کرتا مدارات
نا اہلِ جہاندار ہے ہمدرد نہیں ہے
ضحاک صفت ظلم اگر کرتا ہے سلطاں
در اشکلِ بشر مار ہے ہمدرد نہیں ہے
ہر لحظہ "بزن" ہے جو شہنشہ کی زباں پر
اک خنجرِ خونخوار ہے ہمدرد نہیں ہے
ہے خدمتِ انساں سے اگر گوشہ نشیں دور
بے عطر وہ عطار ہے ہمدرد نہیں ہے

ایک تمنّا

عرضِ حالِ دل مجھے مطلوب ہے ربّ العلیٰ
بہرِ آلِ مصطفیٰ سن لیجیے میرا مدعا
عزت اور آرام سے ہو زندگی میری بسر
شعر ہو میرا پسندِ خاطرِ اہلِ نظر
مدحتِ آلِ عبا میں ہو لقب میرا مدام
عندلیبِ خوش نوائے گلشنِ دارالسّلام

شہرِ خموشاں سے ایک آواز

عبرت کا کھلا درس ہے میری یہ کہانی
سب اہلِ خرد اس کو سنیں میری زبانی
پچیس برس تک میں رہا روئے زمیں پر
رعنا و قوی بازو و چالاک و دلاور
عارض ہوا کچھ دردِ کمر مجھ کو قضا را
پنجہ میں معالج کے پھنسا بخت کا مارا
تھا خلق میں مشہور اگرچہ وہ معالج
پر اُس نے کبھی دیکھا تھا اسکول نہ کالج

تھا علم سے بے بہرہ اور اسناد سے عاری
دکّاں تھی مگر اُس کی بڑی شان سے جاری

بے درد و الم اب جو تہِ خاک پڑا ہوں ہائے
احسانِ معالج سے بصد امن گڑا ہوں

بے علم معالج سے رہیں اہلِ خرد دُور
ہے چشم کی صورت پہ نہیں نام کو بھی نور

سقراط اگر اُس کا ہو تلمیذِ سبق خواں
بقراط سا شاگرد ہو علامۂ دوراں

گر ہیچ میسر اُس کے مقابل ہو فلاطوں
حیراں ہو وجاہت سے اگر دیدۂ گردوں

ہو فنِ طبابت میں اگر ایک سمندر
شُہرت میں ہو گر حضرتِ لقمان کا ہمسر

ہو بو علی سینا سے بڑا نام گر اُس کا
ہو عقدِ ثریا سے بھی ثروت میں گر اونچا

گر علمِ طبابت میں ہے خام اور ادھورا
ہے لائقِ نفرین و سزا وارِ تبرّا

اے کاش یہ انساں کہ ہے بس غافلِ انجام
بھولے سے ہی لے دانش و بینش سے کبھی کام

غزل

آشنا بن ایک کا اور غیر کو بیگانہ چھوڑ
زالِ دنیا کو بسانِ شیرِ حق مردانہ چھوڑ

کوئی کنہِ ذاتِ احمد کو سمجھ سکتا نہیں
ہیں ملائک محوِ حیرت مردمِ فرزانہ چھوڑ

طاعتِ شاہِ دو عالم میں ہے تیری برتری
عالمِ امکاں ہیں اپنے کام کا افسانہ چھوڑ

نار ہے بوجہل اور ہے مصطفےٰ نورِ خدا
شمعِ نورِ لم یزل روشن ہے تُو پروانہ چھوڑ

کب تلک مرغِ وفا کو تو رکھیگا منتظر
بیخبر اشکِ ندامت کا بعجلت دانہ چھوڑ

شاہ ہو کر جو درِ احمد کا بن جائے گدا
بوریا کب چاہتا ہے تختِ سلطانانہ چھوڑ

جو مئے خمخانۂ ساقیٔ کوثر سے ہے مست
مست ہے تا حشر وہ ذکرِ مے و پیمانہ چھوڑ

خارج از وہم و گماں ہے شانِ سلطانِ زمن
نقشِ حیرت ہے یہاں ہشیار بھی دیوانہ چھوڑ

میکدہ ہے رُو کشِ باغِ ارم۔ اے خود پرست
منبر و محراب کا یہ دامِ مکّارانہ چھوڑ

گلشنِ ملّت کا تو ہے عندلیبِ خوشنوا
چہچہے ہیں باغ میں زیبا ترے ویرانہ چھوڑ

ہے نگینِ دل پہ جن کے نقشِ نامِ مصطفےٰ
بے وضو ہرگز نہیں ہوتے کبھی دوگانہ چھوڑ

نشۂ وحدت میں اتنا چور تھا قلبِ بلالؓ
ماسوا سے بے خبر تھا زحمتِ کاشانہ چھوڑ

اقربا نے گو کئے عمّار پر لاکھوں ستم
پر نہ بھٹکا عمر بھر راہِ وفا داری نہ چھوڑ

تارکِ دنیا اگر سُن پائے پیغامِ درا
از سرِ نو آ بسے وہ شہر میں ویرانہ چھوڑ

ہو چکا ہے لاکھ بار اے نفس تو حرماں نصیب
اب تو اس قنبر کا بہرِ مرتضےٰ یارانہ چھوڑ

کربلائے دہر میں تو جوہرِ ہمّت دکھا
اے طلبگارِ سعادت نامِ شبّیرانہ چھوڑ

ہے غضب کی آتش افشاں آنکھ تُرکِ چرخ کی
کھول آنکھیں اور خیالِ نرگسِ مستانہ چھوڑ

نظم کیا؟ عقدِ ثریا ہے بنو گے ایک دن
چل بسا گوشہ نشیں بھی گوہرِ یکدانہ چھوڑ

روزِ عاشورہ

ایک شب یاور ہوا میرا جو لطفِ کردگار
خواب میں حاصل ہوا مجھ کو یہ عزّ و افتخار

ہیں حسبِ حکم کربلا میں جمع سارے انبیا
روزِ عاشورا کا نقشہ ہر طرف ہے آشکار

سب کھڑے ہیں حلقۂ ماتم میں مصروف بکا
سامنے آنکھوں کے دلبندِ نبیؐ کا ہے مزار
ہر بشر کی آنکھ سے جاری ہے اک دریائے خوں
جامۂ ماتم میں ہیں ملبوس سارے سوگوار
سینہ کوبی میں ہیں محوِ گریہ با قلبِ تپاں
اور سر و تن سب کے ہیں آلودہ گرد و غبار
لحنِ داؤدی میں ہیں نوحہ کناں جامہ دراں
ما دیانِ اہلِ عالم۔ افتخارِ روزگار
وہ شہادت مٹ نہیں سکتی کبھی تا روزِ حشر
انبیاء قائم رکھیں ہر سال جس کی یادگار

اسیرانِ چمن

قفس

باغِ عالم میں ہے تجھ سے رنگ و بوائے باغباں
نام کا تیرے ہے چرچا چار سو اے باغباں
آبیاری اس گلستاں کی ہے تیری ذات سے
خوانِ نعمت بچھ رہا ہے سو بسو اے باغباں
کون ہے تجھ بن ہو جس پر منکشف ہر اک کا حال
واقفِ رازِ نہاں ہے ایک تو اے باغباں
سخت گیری کا کریں صیاد کی ہم کیا بیاں
کھو چکے ہیں اختیارِ گفتگو اے باغباں

دیکھنا کنجِ قفس میں ہیں وہ مرغانِ چمن ؎
اُڑتے تھے جو کل کنارِ آبِ جُو اے باغباں

عندلیبِ بے نوا ہیں ہم نفس ملتا نہیں
ناتواں ہیں، زار ہیں، دم در گلو اے باغباں

تھی ہمارے چہچہوں سے رونقِ صحنِ چمن
اب قفس کے تار ہیں خارِ گلو اے باغباں

تھی کبھی پرواز کی اپنے نہایت اوجِ عرش
اب گرفتارِ قفس ہیں مُو بمُو اے باغباں

تھی نماز اپنی خمِ شمشیر کے محراب میں
کرتے تھے ہم آبِ خنجر سے وضو اے باغباں

چہرۂ صیاد پر ظاہر ہیں جس کی سرخیاں
وہ ہمارے ہی بدن کا ہے لہو اے باغباں

پھانس لیتا ہے طیورِ گلستاں کو دام میں
فنِ صیادی میں ماہر ہے عدو اے باغباں

رشکِ فردوسِ بریں تھی جس چمن کی سرزمین
لُٹ گیا یکسر ہمارے رُوبرُو اے باغباں

لطفِ گلگشتِ چمن کیا اور کہاں ذوقِ شراب
ہاتھ میں اپنے نہیں جام و سبو اے باغباں

ہو گرفتارِ ستمِ صیاد ہم آزاد ہوں ؎
کب ہے اسیرانِ قفس کی آرزو اے باغباں

شرحِ پیغامِ درا لکھے اگر گوشہ نشین
مثلِ گلزارِ جناں ہو ہو بہ ہو اے باغباں

عجزِ ناپسندیدہ

خراب و رسوا ہم خوار ہستم — خسے در ساحتِ گلزار ہستم
جہاں سے از وجودم لب بفریاد — بشاخِ گل بشکلِ خار ہستم

فخرِ پسندیدہ

غلامِ احمدِ مختار ہستم — چو قنبر خادمِ کرار ہستم
سزد بر شاخِ طوبےٰ آشیانم — کہ مرغِ گلشنِ ابرار ہستم

غزل

ہے دل کا اک آزار مرضِ بے سر و پائی
خوشنودیٔ حق کی ہے یہ نذر جلوہ نمائی
رہ دشت نوردی میں سدا گام زن اے قیس
کام آئے گی محشر میں ترے آبلہ پائی
سرگرمِ عمل رہ کہ سمجھ جائے گا اک دن
کیا عالمِ اسباب کی ہے علّتِ غائی

جو خالقِ کونین سے رکھتے ہیں محبت
محبوب نظر آتی ہے سب اُن کو خدائی
ہے زاہدِ مکّار سے رہزن کہیں بہتر
موقوف ہے مردانگی پر جس کی کمائی
خوش ہوتے ہیں سب لوگ چہکتا ہے جو بلبل
کیا بارِ گراں دل پہ ہے اُلّو کی دہائی
اے گوشہ نشیں دل پہ عبث ناز ہے تجھکو
ہو سکتی ہے کب چیز تری چیز پرائی

بہادر سولن

جب بہادرانِ ایتھنز کو جاں سپارانِ میگارا نے پے در پے شکستیں دیں تو اہلِ ایتھنز نے میگارا والوں کی اطاعت اور غلامی اختیار کر لی اور اہل ایتھنز نے ایک قانون وضع کیا کہ جو شخص پھر اہلِ وطن کو میگارا کے خلاف لڑنے کی ترغیب دیگا مستوجب سزا ہوگا۔ ایتھنز کا قابل قانون دان سولن اس بے غیرتی اور بزدلی کو گوارا نہ کر سکا وہ دانستہ پاگل بن گیا۔ اور جب اُس کے دیوانہ پن کا اہل ایتھنز کو یقین ہو گیا تو اُس نے ایک دن ایک پُر جوش نظم میگارا کے خلاف تصنیف کی اور ایک بلند مقام پر پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کھڑا ہو گیا اور ایسے مؤثر لہجہ میں نظم کو پڑھا کہ بہادرانِ ایتھنز کے دل

میں داغِ غلامی کو چہروں پر سے ہمیشہ کے لئے دھوڈالنے کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ چند ہی دنوں میں ایتھن پنجۂ اغیار سے آزاد ہوگیا اسی طرح ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ شیطانِ لعین کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے

پارہ پارہ گرچہ ہو تیرِ حوادث سے جگر
ذرہ بھر ہوتا نہیں اہلِ شجاعت پر اثر
غولِ ناکامی کی مکر آمیز حیلہ سازیاں
لاتا ہے خاطر میں کب رہرو جو ہو منزل نشاں
خرمنِ دہقاں پہ گرتی ہے جو برقِ شعلہ ور
تازیانہ ہے وہ بہرِ عبرتِ اہلِ نظر
اُس سے عبرت کا سبق لیتا نہیں انساں اگر
مادرِ قدرت سمجھتی ہے اُسے جاہل بسر
لوحِ قدرت پر لکھا جاتا ہے جو حرفِ جلی
چشمِ بینا پر ہے اُس کا رازِ پنہاں منجلی
وہ بہادر سولن اور وہ مایۂ صد افتخار
تھا بظاہر ایک دیوانہ مگر تھا ہوشیار
اہلِ ایتھن کو ملی اِس کی بدولت زندگی
اور ہوئی اہلِ مگارا کے ستم سے مخلصی
عقل والے تجھ کو پاگل سے سمجھتے ہیں حقیر
معصیت کاری کے پھندے میں ہے گر دامِ اسیر

قصۂ بہلولِ دانا ہے سبق تیرے لئے
دیکھنے والی اگر خلاق تجھکو آنکھ دے
ہم نہ ہوں کیونکر فدائے بینوائے دُور بیں
خاتمِ معنی میں ہے جس کا ہر اک مصرع نگیں

امام حسینؑ اور شیریں

شیریں مومنہ اور اہلبیت کی خادمہ تھی۔ شیریں کے ہاں مہمان ہونے کا امام حسین علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ امام حسینؑ کا سر مبارک آپ کی شہادت کے بعد شیریں کے ہاں ایک رات بطور مہمان رہا۔

نورِ سحر سے رکھتا ہے الفت ہر اک بشر
ظلمت مگر ہے مقصدِ دزدانِ بد گہر
خلدِ بریں کے نام سے دل سب کا شاد ہے
اور جاں گداز نارِ جہنم کی یاد ہے
کیا موجبِ نشاط ہے پختہ ہو جو ثمر
دردِ گراں ہے بہرِ شکم خام ہو اگر
شبیر ہیں بقولِ نبیؐ سیّدِ انام
شمر سیاہ کار سے بیزار ہیں تمام
شیریں سے تھا حسینؑ کا پیمانِ باوفا
ہوں گا میں ایک دِن ترا مہماں خدا گواہ

سامانِ خورد و نوش مگر کچھ نہ کیجیو
ہم سب کو دیکھ تھام جگر اپنا لیجیو
مہمان ہونگے ہم ترے اک رات کے لئے
پھر چھوڑ دینگے تیرے مکاں کو۔ نہ آئیں گے
شیریں کے گھر ہوا اسیرِ اطہر کا جب قیام
کیا حرف حرف پورا ہؤا وعدۂ امام
زیبا ہے تیرے سر پہ ہو گر تاجِ خسروی
اور جد و جہد میں ہو بسر تیری زندگی
ثروت میں تجھ کو غلبہ ہو منصب میں برتری
آئے نہ نام کو بھی ترے پاس بے زری
شہرہ ہو تیری تیغ کا وہ کارزار میں
تھرائے تیرے نام سے رستم مزار میں
علم و ہنر میں رتبہ ترا سب سے ہو بلند
اور مرغ نکتہ دانی بھی ہو تیرا پائے بند
انسان میں ہیں موجبِ عزت یہ خوبیاں
راضی ہے اِن تمام سے خلاّقِ انس و جاں
یہ سب بجا ہے اس میں نہیں جائے گفتگو
یہ بھی درست ہے مگر۔ اے مردِ نیک خو
دنیا کے قصرِ شیریں میں مہمان ہے ایک رات
ہرگز نہ بن سکے گی شکم پروری میں بات

اس ایک شب میں کرتے ہیں وہ کام جاں سپار
رہتا ہے جو زمانہ میں تا حشر یادگار
گوشہ نشین ہی کو ذرا دیکھ غور سے
نام اس کا۔ کیا مجال کسی کی مٹا سکے
ہاں پیٹھ پر ہو تیری جو لطفِ خدا کا ہات
ہو لیلۃ الھریر کا نقشہ یہ ایک رات
گذری علی کی بسترِ احمدؐ پہ ایک شب
ہیں ہیچ اُس کے سامنے ایام دہر سب
ہو محض خورد و نوش ہی گر مطمحِ نظر
باطن میں تو حمار ہے ظاہر میں ہے بشر

حضرت یوسفؑ

حُسنِ یوسفؑ ہو اگر تیرے عمل میں خوب رُو
اقربا ہوں تیرے عقرب کی طرح گر ہُو بہُو
پھینک دیں چاہِ جفا میں گر تجھے بے دستور
تو عزیزِ مصر بن جائے گا اک دن بالضرور

رام اور سیتا

رام کی وہ نازنیں زوجہ کہ تھی بدرِ منیر
ہو گئی راون کے دامِ مکر میں ناگہ اسیر

رام کا دریائے غیرت جوش میں آیا وہیں
رشکِ ویرانہ بنا دی ظالموں کی سرزمیں
رام کی اُس قوم نے کی دستگیری یاوری
جس کو بیگانہ سمجھتا تھا کبھی اور اجنبی
آہ تجھ کو کچھ نہیں تاریخ پر بھی اعتقاد
ورنہ تو کہتے نہ کیوں بیگانگی کو خیرباد

حارث

کعبۂ کرد بیاں ہے روضۂ شاہِ نجف
یہ سراسر راست ہے اور راست ہے عز و شرف
پوچھ لو حارث سے ۔ ہے تکذیبِ حق کا کیا صلہ
قبر پر رہتا ہے جس کی حسرتوں کا جمگھٹا
گر ہو انکارِ صداقت از رہِ ضعفِ یقین
ہے نشانِ تکذیبِ حق کا برص اور داغِ جبیں
جب کیا انکارِ حق ۔ اسلام سے خارج ہوا
گرچہ ہو تختِ جہانبانی پہ وہ جلوہ نما
میں نہیں حسّانِ ثابت کی طرح مدحت سرا
مغفرت کی ۔ اے شفیع المذنبیں ہے التجا

تحفۂ درویش

بوذر و مقداد و سلماں کی قسم ہے۔ یارسولؐ
نذر ہو مقبول ہے میری صدقۂ جانِ بتولؑ
شبّر و شبیّر و محسنؑ کی قسم ہے۔ یا علیؑ
نذر پر میری نظر ہو بہرِ بندہ پروری
اکبر و عباس و اصغر کی قسم ہے۔ یا حسینؑ
پیشکش تینوں ہے منظور ہوں۔ دِل کو ہو چین
یا حسنؑ۔ ہو میری خدمت سورِ لطف و کرم
سلسبیل و کوثر و تسنیم کی تجھ کو قسم
ہے غرض اس نظم سے خوشنودیٔ آلِ عبا
ہم نوا ہیں گرچہ پیغامِ درا۔ بانگِ درا
گو رکھا بانگِ درا نے سنگِ بنیادِ مکاں
فیضِ پیغامِ درا سے بن گیا رشکِ جناں
نظمِ عالی کا کھڑا کر دے کوئی اگرچہ محل
جز ثنائے آلِ احمد بے اثر ہے یہ عمل
بزم کو گر رشکِ جنت بھی بنا دے نکتہ داں
صدرِ مجلس کے سوا یکسر ہے وحشت کا سماں
فیض گستر گرچہ ہے انجم کا نورِ بے حجاب
ہے جہاں کے واسطے رحمت شعاعِ آفتاب

کیوں ہوا جاتا ہے اتنا مضطرب گوشہ نشین
دینِ موسیٰ سے بھلا کچھ تھا الگ عیسیٰ کا دیں

شعر و سخن کا شجر

گرچہ رشکِ خلد ہے گلزارِ عالم کی فضا
باغ کے سب نوجوانوں کو نہیں دائم بقا
ہے تطاول سے خزاں کی چشمِ شبنم اشکبار
رہ گیا لالہ کے دل میں داغِ حسرت برقرار
رونقِ صحنِ چمن تھے سینکڑوں سروِ رواں
کر دیا بادِ فنا نے سب کو بے نام و نشاں
اس ستم پر بھی خزاں کے جس شجر پر ہو بہار
کیوں نہ مرغانِ چمن ہوں اس کی ہستی پر نثار
لہلاتے ہیں جو گلزارِ جہاں میں نونہال
ہے یہ احسانِ خدائے ذوالمنن بے قیل و قال
ہو فنا اک کو۔ بقا ہو دوسرے کو کیا سبب
کوئی آغازِ نمو ہی میں فنا ہو۔ کیا سبب
صدمہ دے سے رہے محفوظ گر کوئی شجر
ہے یہ حسنِ تربیت اور لطفِ فطرت کا اثر
گلشنِ حبِ وطن سے لائیں اک پودا اگر
آبیاری کے لئے ہو ہمتِ والا نظر

گر حریمِ صدقِ دل سے سرِ بسر معمور ہو
اور تعصب کی سمومِ جانگزا سے دُور ہو
آفتابِ علم کی ہو اُس پہ گر چشمِ کرم
اور ہو سیراب نیسانِ عمل سے دمبدم
لطفِ خالق کی چلیگی اُس پہ پھر بادِ بہار
پاسباں ہو گی نگاہِ مصطفٰے لیل و نہار
دمبدم پودا بڑھے گا اور شجر ہو جائے گا
سدرہ و طوبٰے کو اِک دن بیگماں شرمائیگا
صرصرِ ایام پھر تو مُنہ کی ایسی کھائے گی
اُس شجر کے پاس تک جانے سے بھی کترائیگی

شاعر اور حاسد

جس سخنور کا ہو سینہ لا الٰہ سے پاش پاش
اور جگر جس کا ہو زخمی تیغِ اِلَّا اللہ کا
نورِ عرفاں سے ہو جس کا چہرہ رشکِ آفتاب
سامنے جس کے ہو پھیکا رنگ روئے ماہ کا
ہو رواں سینہ میں جس کے قلزمِ قرب و وصال
ہو جسے عزّ و شرف حاصل فنائی اللہ کا
کشف کے جو بحرِ گوہر خیز کا غوّاص ہو
ضو فشاں ہو نور جس کے قلبِ حق آگاہ کا

ہو بشکلِ مہرِ عالمتاب جو روشن ضمیر
دم بھرے عالم کا ذرہ ذرہ جس کی چاہ کا
جو محبت میں خدا کی شمع ساں جلتا رہے
ہو جو پروانہ صفت عاشق رسول اللہ کا
ہو ہمیشہ جس کی تائیدِ الٰہی پشت پر
مورد لطف و کرم ہو جو عرب کے شاہ کا
لاکھ حاسد ہوں گر اُس کے معترض ہوں گرچہ ہزار
وہ رہیگا عمر بھر مداح اہل اللہ کا

آوازِ ہاتف

یہ نظم آبدار وگہر بار و پُر اثر
تفسیر ہے کلامِ الٰہی کی سر بسر
کہدو یہ نکتہ چیں سے نہ کر جستجوئے عیب
ہے لفظ لفظ اس کا صدائے زبانِ غیب

طالب حسینؑ

نام کا تھا اک بشر طالب حسینؑ
پر نہ تھی دل میں طلب شبیرؑ کی
رات دن تھا نشۂ عصیاں میں چور
عیش و عشرت میں نہ کچھ تقصیر کی

اس قدر تھا وہ سیہ کاری میں مست
کچھ نہ تھی پروا اُسے تعزیر کی
ہیں نماز و روزہ گرچہ کارِ نیک
لیک اُس میں تھی نہ آتنی ذیر کی
تھے چلن ناپاک اور ناپاک دل
دینِ احمد کی بہت تحقیر کی
مرتکب تھا وہ فواحش کا مدام
عادتیں تھیں سب کی سب خنزیر کی
توڑ دی۔ بھولے سے کی توبہ اگر
خالقِ اکبر سے بھی تزویر کی
دارِ عقبےٰ کو وہ آخر چل دیا۔
ترکِ عصیاں کی نہ کچھ تدبیر کی
کیا عجب ہے۔ گر شفاعت ہو حرام
اس بشر پر حضرتِ شبیر کی
ہے سخن گوشہ نشیں کا دلنشیں
نوکِ خامہ نوک ہے شمشیر کی

تثلیث

ہیں جو روح القدس و عیسےٰ۔ اور خالق ایک شئے
کیوں نہ ہوں اک جیز پھر ساقی۔ پیالہ اور مئے

ہے جہاں کے میکدہ میں قلبِ مومن ایک جام
انبیا اور اوصیا ہیں یاں برنگِ مے تمام
مے نہ ہو ساغر نہ ہو اور میکدہ بھی ہو نہ گر
ہے کہاں اس بات کا ساقی کے دل پر کچھ اثر
پیر میخانہ الگ ہے اور جدا جام و شراب
فرق ان تینوں میں ظاہر ہے مثالِ آفتاب
گو کہ ہیں تثلیث والے شمع ساں روشن دماغ
بیگماں گل ہو گیا ہے اُن کی دانش کا چراغ
لڑ رہی ہے آنکھ گو چشمِ فلک سے صبح و شام
سامنے خورشیدِ عرفاں کے ہیں خپّرا کلام
بات سن گوشہ نشیں کی۔ گوشِ شنوا ہے اگر
کس قدر ہے مدعی تثلیث کا کوتہ نظر

جذبات

ملک کی عزت پہ جو قربان ہو جاتے ہیں یاں
بے گماں زندہ رہے گا نام اُن کا جاوداں
جب اُٹھے گا سیلِ اشکِ بیکساں۔ بیداد گر
ہوں گے پیوندِ زمیں گھر کے ترے دیوار و در
ہے یہ میدانِ وغا میں مقصدِ دانش وراں
جنگ کا میداں ہو تربت اور گنبد آسماں

جب کبھی ہم دشت پیمائی پہ آمادہ ہوئے
بہرِ استقبال خارِ دشت استادہ ہوئے

دے نہیں سکتا ہوس کا نخل شیریں پھل کبھی
پرورش گو شہدِ خالص سے کرے اسکی کوئی

دستِ بیدادِ خزاں گلشن میں محشر خیز ہے
باغباں کا جامِ ضبط و صبر بھی لبریز ہے

کس سہارے پر اُٹھائے سرکوئی خلوت گزیں
نبض کا دستِ بریدہ میں نشاں ملتا نہیں

دیکھ کر میرے سخن کا قلزمِ گوہر فشاں
حشر تک گردابِ حیرت میں رہے گا آسماں

اہلِ دوزخ کے کبھی اٹھا اگر سینہ میں درد
نار کو گلزار کردے گی مری اک آہِ سرد

کوز پشتی ہے کہاں یہ شیخ جی کی بیخبر
ہے خمیدہ بارِ عصیاں سے مگر اُس کی کمر

شورِ ہُو حق کرتے ہیں جو مسجدوں کے فرش پر
وہ سمجھتے ہیں خدائے لامکاں کو عرش پر

تیری مشتِ خاک کو برباد کرنے کے لئے
بادِ صرصر چل رہی ہے وادیٔ اغیار سے

آہ اب کنجِ قفس میں ہے وہ مرغِ نیم جاں
شاخِ طوبےٰ پر جنا تھا جس نے اپنا آشیاں

تھیں زمانے میں یہی چیزیں ہماری کارساز
تیغِ ہندی۔ رُمحِ خطّی۔ نوکِ پیکانِ دراز

پندِ سودمند

کہتا ہوں ایک بات جو بس استوار ہے
ہاں مانو یا نہ مانو۔ تمھیں اختیار ہے
ہے جس طرح بشر کو بشر سے کچھ امتیاز
موصوف ایک وصف میں یوں ہر دیار ہے
برطانیہ کو جلبِ منافع سے ہے غرض
علم و ہنر پہ جرمنی کو افتخار ہے
ایجاد میں ہے ارضِ کولمبس کو برتری
جاپان دستکاری سے سرمایہ دار ہے
عزم اور سرفروشی میں ہے نامور عرب
کابل کا اہلِ تیغ و تبر میں شمار ہے
ایران ہے ذہن اور ذکاوت میں بے عدیل
یونان فلسفہ میں بہت نامدار ہے
ہندوستاں کی حالتِ زار و نزار کو
جو آنکھ دیکھ پاتی ہے وہ اشکبار ہے
اُس مملکت کو دیتی ہے قدرت یہی سزا
ہر لحظہ جو نفاق و حسد کا شکار ہے

اہلِ فرنگ رکھتے ہیں وہ کیمیائے علم
جس پر کہ سب جہان کی دولت نثار ہے
دشتِ تلاشِ علم میں جوں قیسِ عامری
پھرتے ہیں مارے مارے یہ خود آشکار ہے
سو سو نفوس کا ہے تجارت میں اشتراک
ہر اک کو دوسرے پہ بہت اعتبار ہے
صنعت کو وہ سمجھتے نہیں پیشۂ عوام
دانش کے بل پہ روزی کا اُن کی مدار ہے
پھنستے نہیں ہیں زہدِ ریائی کے دام میں
ہر ایک فرد اُن کا بہت ہوشیار ہے
نخلِ عمل کو سینچتے ہیں آبِ عزم سے
باغِ امل میں اُن کے ہمیشہ بہار ہے
اک فرد اُن کا گر ہو مصیبت میں مبتلا
اِس سے تمام قوم کا دل داغدار ہے
مذہب میں اُن کے لاکھ ہوں گو باہم اختلاف
میدانِ حفظِ دیں میں ہر اک جاں سپار ہے
افلاس کو وہ دیتے ہیں تدبیر سے شکست
اقبال گر غلام ہے تو بخت یار ہے
نقشِ قدم پہ اُن کے اگر ہم بھی چلے
اک روز یہ بھی اُن کی طرح کامگار ہے

سن لو یہ نظم گوشہ نشیں کی بگوشِ ہوش
ہر ایک شعر جس کا دُرِ شاہوار ہے

دشمنانِ حسین

مسلماں اہلِ جنت کا جسے سردار کہتے ہیں
اُسے سب شمعِ دینِ احمدِ مختار کہتے ہیں
جو ہے بزمِ نبوت میں چراغِ دودۂ زہرا
اُسی کو نورِ چشمِ حیدرِ کرّار کہتے ہیں تو
ہوائے ملک گیری کو رباطن جس کو سمجھتے تھے
حق و باطل کا اہلِ دل اُسے معیار کہتے ہیں
ہزاروں ہو گئے ابوابِ معنے ہم پہ وا جس سے
اُسے یہ گاو دی اک حیلۂ بیکار کہتے ہیں
کلامِ پاک ہے عظمت پہ جس کی شاہدِ عادل
تعجب ہے بُرا اُس کو یہ بدکردار کہتے ہیں
عداوت ہے معاذ اللہ! اُس سے اہلِ باطل کو
جسے دیں کے عساکر کا علم بردار کہتے ہیں
قیامت ہے کہ اُس کی شان میں کرتے ہیں گستاخی
حبیبِ حضرتِ حق کا جسے دلدار کہتے ہیں
گرانا چاہتا ہے کفر اُس کو اوجِ عزت سے
سرِ مومن پہ ایماں کی جسے دستار کہتے ہیں

خردمندی پہ اُس کی خردہ گیری کرتے ہیں بد بیں
جسے قصرِ رسالت کا سبھی معمار کہتے ہیں

یہ نابینا ریاضِ خلد کو گلخن سمجھتے ہیں
گلِ گلزارِ عرفاں کو یہ احمق خار کہتے ہیں

کہیں ظلمت اُسے جو ہے سراسر چشمۂ حیواں
جلائے آئینہ کو بے خبر زنگار کہتے ہیں

اُسے یہ کورِ باطن سمجھے ہیں بارانِ بے موسم
جسے اربابِ بینش ابرِ گوہر بار کہتے ہیں

شبِ تاریک کہتے ہیں یہ اندھے روزِ روشن کو
کہاں تک بے خبر ہیں۔ نور کو جو نار کہتے ہیں

کیا ہموار جس نے راہِ ناہموارِ باطل کو
عبث اشرار اُس کے حق میں ناہنجار کہتے ہیں

مسلماں کی زبانِ گوہر افشاں میں وہ تیزی ہے
کہ جس کو اہلِ تاریخ و سیر تلوار کہتے ہیں

دکھا وہ قوتِ مردِ خدا اقرار لینے میں
کہ منکر یہ ہو پیدا ہو۔ کسے انکار کہتے ہیں

توبہ اور مغفرت

ہے ذرہ ذرہ خیر اور شر کا حساب میں
ہے محض مغفرت کا بیاں کس کتاب میں

غفّار ہے تو قادرِ مطلق بھی ہے ضرور
اور عدل میں بھی اُس کے نہیں آتا کچھ فتور
انسان کی جو تو بہ ہی پشت و پناہ ہو
نظمِ امورِ عالمِ امکاں تباہ ہو
قہرِ خدا کے خوف سے توبہ کرے اگر
رکھے گا ہاتھ لطفِ خدا تیری پشت پر
پرخاش میں ہو نفس کی توبہ اگر سپر
شیطاں کا وار چل نہ سکے تجھ پہ عمر بھر
جانے تو مرتضےٰ کو امامِ خفی جلی
اور دشمنانِ بیتِ نبوّت کو خارجی
لطفِ ازل کا ہو تری حالت پہ یہ وفور
بے پُرسش و حساب تجھے بخش دے غفور

انقلاب

ہاں آنکھ کھول دیکھ کہ اقوامِ خودشناس
تعمیر کر رہی ہیں بنائے فلک اساس
ہر ملک ہر زمانہ میں جتنے ہیں جا ندار
دیتا ہے سب کو جامۂ نو موسمِ بہار
اشجار کو بناتا ہے معشوقِ دلربا
برگ و ثمر سے اُن کو سجاتا ہے جابجا

ہر اک بساطِ کون میں چالاک وجست ہے
پر اس قمار گاہ میں انساں ہی سُست ہے

شعراء کی خامیاں

جن تین خامیوں کا ذکر ذیل کی نظم میں کیا گیا ہے قواعدِ شاعری کے رُو سے معیوب تو نہیں ہیں لیکن اِن سے پرہیز کرنا بہتر ہے مثلاً اُٹھی ہے کو ہے اُٹھی لکھ دینا۔ فضا میں اڑتا ہے کو اڑتا فضا میں ہے لکھ دینا۔ اور وہ گھر میں بیٹھ رہا ہے کو ہے بیٹھے وہ گھر میں رہا۔ لکھ دینا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

دیواں میں لاکھ گرچہ ہوں جدت طرازیاں
گلہائے بے مثال سے ہو غیرتِ جناں
لازم ہے لیکن از پئے تکمیلِ شاعری
پابندیٔ قواعدِ فنِ سخنوری
امثالِ ذیل ہیں جو مصارع کی خوب چُست
اوّل ہیں نادرست ہیں آخر میں ہیں درست
کرتا ہوں تین خامیوں کا تذکرہ یہاں
جن سے سخن سرائی کو پہنچا ہے کچھ زیاں
ہے اٹھی سینہ سے مرے اک آہِ آتشیں
اٹھی ہے سینہ سے مرے اک آہ آتشیں

اڑتا فضائے چرخ میں شہباز ہے ضرور
اوجِ فلک پہ اُڑتا ہے شہباز بالضرور
ہے بیٹھے جو مکاں ہی میں اپنے بشر رہا
اپنے مکان ہی کا مکیں جو بشر رہا
یہ نظمِ سودمند سخن دانِ باخبر
ہے بہت نامہ نکتہ شناسوں کو مختصر

واقعہ کربلا معلی

طوبےٰ کی شاخ جس کی ہو کلکِ گہرفشاں
اور ہو دوات چشمہ کوثر سے تر زباں
تاریخ اور حدیث میں ماہر ہو جو بشر
لازم ہے اُس کو مدحتِ شبیرؑ ناہو ر
ہے یہ بیاضِ ذکرِ گلِ گلشنِ بتولؑ
اور میں ہوں ایک بلبلِ نوحہ گرِ رسولؐ
کیونکر نہ دشتِ شوق میں اُٹھے میرا قدم
ٹوٹا نہیں ہے میرا کبھی چلتے چلتے دم
یہ التجا ہے سبط اسیرِ حجاز سے
آگاہ کیجے مجھ کو فصاحت کے راز سے
لی ہاتھ میں یزید نے جب ملک کی عناں
تھے وحش و طیر حالتِ مومن پہ نوحہ خواں

برقِ ستم کو خرمنِ ایماں پسند تھا
نقشہ تھا خاکِ تیرہ کا کوفہ کی خوش فضا

آنے لگے حسینؑ کو کوفہ سے یہ پیام
اہلِ جہاں کے آپ ہی ہیں مستند امام

دادِ ستم کو آیئے۔ اے رمزِ ہل اتیٰ
اہلِ ولا ہیں منتظرِ خاکِ کربلا

تب سمتِ کوفہ حضرتِ مسلمؑ ہوئے رواں
آمادۂ سفر ہوئے پھر شاہِ دوجہاں

اہلِ ولائے کوفہ نے مسلمؑ سے کیا کیا
شہزادگانِ حضرتِ مسلمؑ کو کیا ہوا

انجام اس سفر کا تھا کیا بسرِ ظفر
ٹوٹا پہاڑ ظلم کا آلِ رسولؐ پر

نصرت دغا کماتی تھی منہ موڑ موڑ کر
انصار بیٹھ دے گئے میداں میں چھوڑ کر

دستِ خزاں کے جور سے گلشن ہوا تباہ
سروِ روان و لالۂ رنگیں تھے بے پناہ

آلِ نبیؐ کو کوچہ و برزن میں ننگے سر
تشہیر و خوار کرتے تھے اجلافِ بد گہر

ڈھائے تھے وہ ستم کہ پکارے تھے الاماں
اہلِ زمیں زمیں پہ ملائک برآسماں

شبیرؑ گرچہ رکھتے تھے اُس دن سے آگہی
لیکن ازل سے سامنے تھا حکمِ ایزدی
حکمِ ازل میں آپ کا مقتل تھی جو زمیں
کہنے لگا پکار کے رضواں کہ بس یہیں
سبطِ نبیؐ ہیں اور ہیں انصارِ جاں سپار
جیسے ہوں گرد چاند کے انجم بصد وقار
اُٹھتی تھی جس طرف کو نگاہِ شہِ انام
وہ دیکھتے تھے سیلِ ستم موجزن تمام
شدّت تموز کی تھی، عرب کی زمین تھی
جوئے فرات دشمنِ دیں کی رہین تھی
خیموں میں ننھے بچوں کی ہر دم پکار تھی
حالت ہر اک کی پیاس سے زار و نزار تھی
شبّیرؑ نیم جان تھے اکبرؑ کی موت سے
ہوش و حواس موت نے اصغرؑ کی کھو دیئے
احباب ڈھیر ہو گئے آنکھوں کے سامنے
ملکِ عدم کو چل دیئے آنکھوں کے سامنے
جاں کو نثار حضرت عباسؑ کر چکے
دلبند دو تو حضرتِ زینبؑ کے مر چکے
قاسمؑ نے اپنا حق شہادت ادا کیا
تنہا حسینؑ رہ گئے اور فوجِ اشقیا

گو بھوک اور پیاس سے دِل بیقرار تھا
داغوں سے سینہ غیرتِ صد لالہ زار تھا
غربال وار گرچہ تھا تیروں سے سب بدن
لیکن تھے یادِ حیدرِ کرّار کے مجن
دہشت کے مارے زہرۂ اعدا تھا آب آب
جوں شیر زخم خوردہ تھے میدان میں جناب
اعدا نے جبکہ کام کیا آپ کا تمام
پیش از غروبِ مہر پڑی کربلا میں شام
سب خاندانِ مصطفےٰ پھر ہو گیا اسیر
تھا یہ بھی ایک شعبدۂ آسمانِ پیر
اس واقعہ کو غور سے سن لے اگر بشر
توحید کا ہے رازِ نہاں اس میں سربسر
یا رب بحقِ خونِ شہیدانِ کربلا
خوشنودئ حسین ہو اس نظم کا صلا

غزل

میں کیا ہوں بارگاہِ رسالت مآب میں
ذرّہ ہوں ایک جلوہ گہِ آفتاب میں
اے ہوشمند۔ دل کی نوازیوں کو سُن
کیا ڈھونڈتا ہے نغمۂ چنگ و رباب میں

گر چشم وا ہو۔ جلوۂ دلبر ہے آشکار
پروانے سے ہو شمع بھلا کب حجاب میں
مسجد میں جائیں کس طرح ہم میکدہ کو چھوڑ
عکسِ رخِ حبیب ہے جامِ شراب میں
یارب ہو خیر توبۂ رندانِ مست کی
اک گونہ بیخودی ہے نمایاں سحاب میں
خورشید کی ہے فطرتِ عالی پہ اک دلیل
ہے داغ کا نشاں جو دلِ ماہتاب میں
پیری میں وقفِ نالۂ شبگیر ہیں وہی
جو خندہ زن تھے حکمِ خدا پر شباب میں
طے کر گیا منازلِ ہستی سمندِ عمر
پاؤں بھی رکھنے پائے نہ تھے ہم رکاب میں
ہر لحظہ پھول پر ہے صبا کا نیا اثر
ہوں میں لگاہِ لطف سے کیا انقلاب میں
با حالِ زار زار کا نام و نشاں مٹا
جاہ و حشم ہے تیرا بھلا کس حساب میں
محسن کا شکر جس کا نہیں ہے یہاں شعار
محشر میں وہ رہیگا خدا کے عتاب میں
ہے روشنیٔ طبع پہ میری جو خندہ زن
ظلمت کو گویا ڈھونڈتا ہے آفتاب میں